قائدِ اعظم

چراغ حسن حسرت

ی برائے صد سالہ تقریباتِ پیدائشِ قائدِ اعظم محمد علی جناح

WITH COMPLIMENTS

Prof. Sharif al Mujahid

DIRECTOR, QUAID-I-AZAM ACADEMY,
KARACHI - 1, (PAKISTAN)
PHONE 51 24 22

از

چراغ حسن حسرت

قومی کمیٹی برائے صد سالہ تقریباتِ
پیدائشِ قائدِ اعظم محمد علی جناح
وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان ۔ اسلام آباد

ترتیب

تصحیح

قائدِ اعظم کی ابتدائی زندگی کے حالات اکثر کتابوں میں صحیح درج نہیں ہیں۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد علی جناح میٹرک پاس کرنے کے بعد انگلستان گئے۔ کچھ کتابیں کہتی ہیں کہ ان کے والد نے انھیں بیرسٹری کے لئے انگلستان بھیجا تھا۔ کئی ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں ان کی والدہ محترمہ اور پہلی بیوی کے نام غلط دیئے گئے ہیں۔

نیشنل بُک فاؤنڈیشن کی تحقیق کے مطابق قائدِ اعظم نویں جماعت میں پڑھتے تھے جب انھوں نے شادی کے لئے اور بعدازاں انگلستان جانے کی غرض سے اسکول چھوڑا۔ ان کے والد نے انھیں انگلستان اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ وہ کراچی کی گراہم اینڈ کمپنی کے صدر دفتر، لندن، میں تجارتی تربیت حاصل کریں اور واپس آنے پر اپنی خاندانی فرم، جناح پونجا اینڈ کمپنی، کو مزید فروغ دیں۔ گراہم اینڈ کمپنی میں دو تین ماہ زیرِ تربیت رہنے کے بعد قائدِ اعظم نے فیصلہ کیا کہ وہ تاجر نہیں بیرسٹر بنیں گے۔ انھوں نے داخلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد قانون میں تعلیم حاصل کی اور انیس برس کی عمر سے پہلے ہی بیرسٹر بن گئے۔ وہ ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۶ء تک تقریباً ساڑھے تین برس، انگلستان میں مقیم رہے۔

محمد علی جناح کی والدہ محترمہ کا نام مٹھی بائی اور ان کی پہلی بیوی کا نام ایمی بائی تھا۔ قائدِ اعظم انگلستان ہی میں مقیم تھے کہ پہلے ان کی بیوی اور پھر والدہ انتقال کر گئیں۔

قائدِ اعظم سے متعلق بعض تحریروں میں ان کی تاریخِ پیدائش ۲۰ر اکتوبر ۱۸۷۵ء بتائی گئی ہے۔ لیکن قائدِ اعظم کے پاسپورٹ میں جو انھوں نے ۷ر جولائی ۱۹۳۱ء کو بنوایا تھا تاریخِ پیدائش ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء درج ہے۔

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

ابتدائی زندگی

آج سے ستر اسی سال پہلے کراچی کا شہر آج سے بالکل مختلف نظر آتا تھا۔ نہ یہاں موٹریں تھیں۔ نہ بسیں۔ نہ سنیما نہ بڑے بڑے ہوٹل۔ آبادی بھی بہت کم تھی۔ پھر بھی کراچی خاصا صاف ستھرا شہر تھا اور کسی اور لحاظ سے نہ سہی صفائی کے لحاظ سے ہندوستان بھر کے شہروں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ تجارت کے اعتبار سے بھی اِس شہر کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ اس وقت شہر کی تجارت پر زیادہ تر سندھی ہندوؤں کا قبضہ تھا لیکن بہت سے کچھّی اور خوجہ سوداگر بھی یہاں آباد ہو گئے تھے اور اُن کا کاروبار ترقّی پر تھا۔ اِنہی لوگوں میں جناح پُونجا بھی تھے جو خوجہ برادری سے تعلّق

رکھتے تھے اور کراچی کے خوشحال تاجروں میں سمجھے جاتے تھے۔ اُن کا اصل وطن تو راج کوٹ تھا جو کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست ہے لیکن کراچی آئے ہوئے اُنہیں خاصی مدّت ہو گئی تھی اور اب راج کوٹ کبھی کبھار ہی جانا ہوتا تھا۔

جناح پونجا نیونہم روڈ کی ایک سہ منزلہ عمارت میں رہتے تھے۔ یہ عمارت اب بھی موجود ہے اور وزیر مینشن کہلاتی ہے۔ آج کی طرح اُس زمانے میں بھی وزیر مینشن میں کئی کُنبے آباد تھے۔ جناح پونجا اس مکان کی پہلی منزل کے دو کمروں میں رہتے تھے۔ عمارت کے دوسرے حصّوں میں جو لوگ تھے۔ اُن میں سے بعض اُن کی جان پہچان کے تھے اور بعض اُن کی طرح خوجہ برادری سے تعلّق رکھتے تھے۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو جناح پونجا کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہوا۔ جس کا نام باپ نے محمد علی رکھا۔

محمد علی جناح پانچ برس کے ہوئے تو انہیں ایک مکتب میں داخل کیا گیا۔ جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ اِنہوں نے پہلے قاعدہ بغدادی پڑھا پھر اُس زمانے کے عام دستور کے مطابق اُنہیں ناظرہ قرآن پڑھایا گیا۔ اِس کے علاوہ انہوں نے "حکایاتِ لطیف" اور اُردو کی ایک آدھ کتاب بھی پڑھی

اُن دنوں سندھ ابھی الگ صوبہ نہیں بنا تھا۔ بلکہ بمبئی ہی میں شامل تھا۔ اِس لئے بمبئی سے کراچی کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ اِس لئے جناح پونجا نے مناسب سمجھا کہ محمد علی کو بمبئی بھیج دیا جائے لیکن اُنہیں بمبئی کے ایک سکول میں داخل ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ان کی والدہ سکینہ بیگم کے کہنے پر ان کے والد نے انہیں پھر کراچی بلوا لیا۔ یہاں وہ پہلے مدرسہ ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ پھر مشن سکول میں بھیج دیئے گئے۔ چنانچہ یہیں سے انہوں نے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ اُس وقت محمد علی جناح کی عمر سولہ برس کی تھی۔

جناح پونجا کئی دِن تک یہ طے نہ کرسکے کہ محمد علی کو مزید تعلیم کے لئے کالج میں بھجوا دیں یا کاروبار میں شریک کریں۔ اُنہی دنوں اُن کی ملاقات اپنے ایک پرانے دوست سر فریڈرک کراف سے ہوئی۔ محمد علی کا ذکر آیا تو سر فریڈرک کہنے لگے۔ لڑکے کو بیرسٹری کی تعلیم کے لئے انگلستان کیوں نہیں بھجوا دیتے۔ جناح پونجا کو یہ بات بہت پسند آئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی اور کنبہ کے دوسرے لوگوں سے مشورہ کرکے محمد علی جناح کو ولایت بھجوا دیا۔

جناح کے بچپن کے حالات ہمیں بہت کم معلوم ہیں لیکن جو تھوڑے بہت حالات ہم تک پہنچے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے بچوں کی طرح کھلنڈرے نہیں تھے بلکہ انہیں جو فرصت کا وقت ملتا تھا وہ کھیلنے کودنے کے بجائے لکھنے پڑھنے میں گزار دیتے تھے اور کبھی کبھی تو مطالعہ کے شوق میں بہت رات گئے تک جاگتے رہتے تھے یہ شروع سے دُھن کے پکے تھے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتے تھے اُسے پُورا کر کے چھوڑتے تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ انہیں صفائی ستھرائی کا بھی بڑا شوق تھا۔ کتابیں بڑے سلیقہ سے لگا کے رکھتے تھے اور اُن پر کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے کپڑے بھی صاف ستھرے ہوتے تھے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ان کی زندگی کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ محمد علی جناح کو اس زمانے میں اچھا لباس پہننے کے سوا کوئی شوق ہی نہیں تھا۔ ان کے رشتہ داروں میں شروع سے اُن کی خوش پوشی کا چرچا تھا اور وہ جس طرف سے گزرتے تھے لوگوں کی نگاہیں بے اختیار ان کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔

گجرات کاٹھیاواڑ میں ہندوستان کے دوسرے حصّوں کی طرح یہ

رواج مدت سے چلا آتا ہے کہ اکثر شادیاں بچپن ہی سے طے ہو جاتی ہیں۔ بھیم جی نام ایک خوجہ تاجر تھے جو راجکوٹ کے ایک گاؤں ہیانی کے رہنے والے تھے۔ اُن کی لڑکی امرت بائی سے محمد علی جناح کا رشتہ بچپن ہی سے طے ہو چکا تھا۔ جناح کو ولایت گئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ امرت بائی کے والد نے شادی کے لئے زور دینا شروع کیا۔ محمد علی کی والدہ سکینہ بیگم کی خواہش بھی یہی تھی کہ شادی جلد ہو جائے۔ چنانچہ جناح پونجا نے بیٹے کو شادی کے لئے ولایت سے بلوایا۔ محمد علی جناح شادی تو نہیں کرانا چاہتے تھے۔ لیکن والدین کے اصرار سے مجبور ہو گئے۔ انہیں شادی کر کے ولایت گئے ہوئے تھوڑی مدت گزری تھی کہ اُن کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی شادی سے ٹھیک ساتویں مہینے امرت بائی بھی انتقال کر گئیں ؂

محمد علی جناح ۱۸۹۲ء میں ولایت گئے تھے اور پورے چار سال کے بعد بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے واپس آئے۔ ولایت جاتے وقت انہوں نے بعض لوگوں سے کہا تھا کہ میں بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں اور ولایت میں انہوں نے جس طرح زندگی گزاری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ انہیں بیرسٹر بن کے روپیہ کمانے ہی کا شوق نہیں تھا بلکہ وہ سچ مچ بڑا آدمی بننا چاہتے تھے۔ لندن میں آج کی طرح اُن دنوں میں بھی تفریح کے بہت سے سامان تھے۔ ہندوستان سے جو نوجوان ولایت جاتے تھے اُن میں سے اکثر ان قصّوں میں پڑ کے اپنے وطن کو بھول جاتے تھے۔ لیکن محمد علی جناح نے تفریح اور دل بستگی کے ان سامانوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ امتحان کی تیاری سے جو وقت بچ جاتا تھا اُسے مطالعہ پر خرچ کر دیتے تھے۔ برٹش میوزیم کی لائبریری لنڈن کی لائبریریوں میں سب سے بڑی ہے۔ محمد علی جناح ہر روز اس کتاب خانہ میں جا بیٹھتے تھے لیکن انہیں زیادہ تر بڑے بڑے لوگوں کے حالات کے مطالعہ کا شوق تھا۔ انہیں بڑا بننے اور دنیا میں نام پیدا کرنے کا شوق تو پہلے ہی تھا۔ بڑے لوگوں کے حالات کا مطالعہ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ اس زمانے میں ولایت کے ایک ڈرامیٹک کلب سے جو شیکسپیئر کے ڈرامے دکھاتا تھا، ان کا تعلق بھی رہا اور بعض ڈراموں میں انہوں نے خود حصّہ بھی لیا۔ بظاہر تو یہ صرف تفریحی مشغلہ تھا۔ لیکن اس تفریحی مشغلہ سے بھی انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔

اب تک انہیں سیاسی جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن جن

دِنوں وہ بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے انہیں سیاست کی جانب متوجہ کر دیا۔ دادا بھائی نوروزجی اُن دنوں ہندوستانی لیڈروں میں بڑا اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ وہ تھے تو پارسی لیکن ہندوستان کے لوگوں کے خیالات حکومت کے سامنے کچھ اس بیباکی اور بے خوفی کے ساتھ پیش کرتے تھے جس کی وجہ سے سارا ملک اُن کی عزّت کرتا تھا۔ ایک موقع پر لارڈ سالسبری نے غصّہ میں آ کے انہیں "کالا آدمی" کہہ دیا۔ اُن دِنوں انگلستان میں جو ہندوستانی موجود تھے وہ اس بات پر بہت ناراض ہوئے۔ ہندوستان میں بھی بہت شور مچا۔ آخر یہ فیصلہ ہُوا کہ دادا بھائی نوروزجی کو انگلستان کی پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے اُمّیدوار کھڑا کیا جائے۔ تاکہ لارڈ سالسبری کو معلوم ہو جائے کہ خود اُن کے ملک کے لوگ دادا بھائی نوروزجی کو اپنا نمائندہ بنا کے انگلستان کی پارلیمنٹ میں بھیجنے پہ آمادہ ہیں ہندوستانی طالب علموں نے دادا بھائی کو کامیاب کرانے کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ دوسرے طلبہ کے ساتھ ساتھ محمد علی جناح نے بھی اس کام میں بڑے ذوق شوق سے حصّہ لیا۔ دادا بھائی نوروزجی الیکشن میں کامیاب ہوئے اور لارڈ سالسبری کو اپنی بدکلامی کا موزوں جواب مل گیا۔

بیرسٹری

محمد علی جناح ۱۸۹۶ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے واپس آئے لیکن
کراچی میں اُن کا جی نہ لگا۔ اُن کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُن کے والد کے
کاروبار کی حالت بھی کچھ ایسی اچھی نہیں تھی۔ وزیر مینشن کے دو کمرے جن میں
انہوں نے اپنی زندگی کا ابتدائی زمانہ گزارا تھا۔ اب انہیں زیادہ گھٹے گھٹے
اور اداس معلوم ہو رہے تھے۔ نیو نہم روڈ پر اب بھی خاصی چہل پہل تھی۔
لیکن انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سڑک پر ویرانی اور اُداسی چھائی ہوئی ہے۔
محمد علی جناح چاہتے تو کراچی میں بھی اُنہیں ملازمت مل سکتی تھی۔ چنانچہ اُن کے
والد کے ایک دوست نے جن کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ اُنہیں خاصی بڑی

تنخواہ پر اپنے ہاں ملازم رکھ لینا چاہا لیکن ملازمت پر اُن کی طبیعت نہ جمی۔
جی نے کہا کہ کراچی میں پڑے رہنے سے تو بہتر ہے کہ بمبئی میں چل کے
قسمت آزمائی کریں۔ اُن کے والد کے دوست نے اصرار کیا تو انہوں نے
کہا اچھّا مجھے بمبئی میں ہاتھ پاؤں مار کے دیکھ لینے دیجئے۔ وہاں کوئی
صورت نہ نکلی تو کراچی واپس آجاؤں گا ؛

بمبئی آج ہی نہیں اُس زمانے میں بھی خاصا بڑا شہر تھا کراچی کا میدان
جس شخص کو اپنے حوصلوں کے لئے تنگ نظر آتا تھا وہ بمبئی ہی کا قصد کرتا
تھا۔ جناح بمبئی پہنچے تو اتنا روپیہ پاس نہیں تھا کہ اطمینان سے بیرسٹری
کی پریکٹس کرتے۔ اور تو اور وکالت کے پیشہ کے لئے قانون کی جن جن
کتابوں کی ضرورت ہے وہ بھی انہیں میسّر نہیں تھی۔ اُن دنوں میکفرسن
صاحب بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل تھے۔ انہوں نے جناح کو دیکھا اور
ان کی باتیں سنیں تو خیال ہوا کہ یہ نوجوان ہے تو بہت ہونہار لیکن بیرسٹری
میں کامیاب ہونے کے لئے جس سامان کی ضرورت ہے اس سے بے نصیب ہے
انہوں نے کہا تمہارے پاس کتابیں نہیں تو میرے ہاں آجایا کرو۔ میرے
پاس قانون کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ تم جب چاہو آؤ اور

اُن سے جتنا فائدہ اُٹھا سکو اُٹھاؤ ؛

محمد علی جناح ولایت سے بیرسٹری کی ڈگری تو لے آئے تھے لیکن ایک تو وہ نو عمر تھے۔ پھر بالکل ناتجربہ کار۔ اہلِ مقدمہ انہی وکیلوں پر اعتبار کرتے تھے جن کا نام نکل چکا تھا۔ اس لئے شروع شروع میں انہیں کوئی مقدمہ نہ ملا اور اسی طرح پورے تین سال گزر گئے ۔ یہ بیکاری اور تنگ دستی کا زمانہ اُنہوں نے بڑی مشکل سے گزارا۔ پھر بھی انہوں نے اِس فرصت سے پورا فائدہ اٹھایا یعنی میکفرسن صاحب کی لائبریری میں جتنی کتابیں تھیں۔ اُن سب کو ایک نظر دیکھ گئے اور بعض کتابوں کی تو عبارتوں کی عبارتیں انہیں زبانی یاد ہو گئیں۔ تین سال کے بعد جب انہیں مقدمے ملنے لگے تو انہوں نے ان کی تیاری میں رات دن ایک کر ڈالے ۔ کبھی کبھی تو وہ ساری ساری رات جاگ کر آنکھوں کا تیل ٹپکاتے مسلیں پڑھتے ۔ بیانوں پر غور کرتے، قانونی نکتے نکالتے۔ انہوں نے اُوپر تلے دو تین مقدمے جیتے تو لوگوں کی توجّہ اُن کی طرف ہونے لگی ۔ یہ تو نہیں کہ خاصی فراغت ہوگئی ہو۔ پھر بھی اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ تنگی ترشی سے اپنی گزر کر سکیں اور کسی سے قرض نہ لینا پڑے ؛

انہی دنوں بمبئی کے تھرڈ پریذیڈنسی مجسٹریٹ مسٹر دستور تین مہینے کی چھٹی پر گئے۔ بہت سے وکیلوں اور بیرسٹروں نے اس اسامی کے لئے درخواستیں دیں۔ جناح نے بھی درخواست دے دی بلکہ کسی تعارف کے بغیر سیدھے سر چارلس اولیونٹ سے جو جوڈیشل کے محکمہ کے افسرِ اعلیٰ تھے، جا ملے۔ اُن سے ملنے کے لئے سفارش کی ضرورت تھی۔ لوگوں کو کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا لیکن جناح اِس طرح بے دھڑک اُن سے ملنے چلے گئے کہ سر چارلس نے اسی بات سے متاثر ہو کر انہیں بلا لیا۔ لیکن اتنے بڑے عہدہ کے لئے کسی نہ کسی بڑے آدمی اور خاص طور پر ایسے شخص کا جو جوڈیشل کے محکمہ سے تعلّق رکھتا ہو سفارشی خط ضروری تھا۔ یہ کمی میکفرسن صاحب نے پوری کر دی اور سر چارلس نے جناح کو تین مہینے کے لئے پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر کر دیا۔ تین مہینے گزر رہے تھے کہ چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ تین مہینے کی رخصت پر گیا۔ مسٹر دستور چھٹی گزار کے آئے تو اُس کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ جناح مسٹر دستور کی جگہ مزید تین مہینے تک مجسٹریٹی کرتے رہے۔ اِن چھ مہینوں کی ملازمت کی وجہ سے اُن کی حالت خاصی درست ہو گئی۔ پہلے وہ گول پیٹھا

میں رہتے تھے۔ پھر وِلی روڈ کے ایک ہوٹل میں اُٹھ گئے اور کچھ عرصے کے بعد ایک اچھا سا فلیٹ کرایہ پر لے لیا۔ لیکن اُن کی طبیعت میں یوں بھی کفایت شعاری تھی۔ پھر تین سال کی بیکاری میں جو تکلیفیں اٹھائی تھیں، اُن کی وجہ سے انہیں روپے پیسے کی خاصی قدر ہو گئی تھی۔ اس لئے چھ مہینے کی ملازمت میں جو کمایا تھا اُس سے قرض بھی ادا کیا اور تھوڑا بہت بچا بھی لیا۔ لیکن اس ملازمت سے ایک بڑا فائدہ ہوا کہ اُن کی قابلیت اور ذہانت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مجسٹریٹ کی قابلیت اس کے فیصلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ جناح نے اپنی مجسٹریٹی کے زمانے میں جو فیصلے کیے تھے اُن سے اور لوگ تو الگ رہے سر چارلس بھی بہت متأثر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر جناح سے ملے تو کہنے لگے کہ آپ کا نام مجسٹریٹی کے امیدواروں کی فہرست میں لکھ لیا گیا ہے۔ اب کے کوئی مستقل اسامی نکلی تو سب سے پہلے آپ ہی کو موقع دیا جائے گا۔ بڑی اچھی ملازمت ہے۔ تنخواہ کا گریڈ ڈیڑھ ہزار روپے تک ہے "۔

جناح نے جواب دیا "لیکن میں تو ارادہ کر چکا ہوں کہ ڈیڑھ ہزار روپے روزانہ کماؤں گا۔" سر چارلس اُس وقت تو یہ سوچ کے چپکے ہو رہے کہ

جوانی کے جوش میں اس نوجوان کی زبان سے ایک بات نکل گئی۔ زمانے کی ٹھوکریں اٹھائے گا تو قدرِ عافیت معلوم ہو گی۔ لیکن کئی برس کے بعد جب جناح کی ملاقات سر چارلس سے ہوئی تو وہ ریٹائر ہو چکے تھے اور جناح کی آمدنی ڈیڑھ ہزار چھوڑ دو ہزار روپے روزانہ سے بھی اوپر تھی۔ گویا انہوں نے سر چارلس سے جو بات کہی تھی وہ پتھر کی لکیر ثابت ہوئی۔ اصل میں وہ شروع سے تہیہ کر چکے تھے کہ ملازمت نہیں کریں گے ورنہ انہیں ملازمت کرنی ہوتی تو کراچی سے بمبئی کیوں جاتے اور انہوں نے چھ مہینے تھرڈ پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام بھی کیا تو محض حالات سے مجبور ہو کے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ چھ مہینے کی ملازمت ان کے بہت کام آئی بمبئی کے قانونی حلقوں میں اُن کی خاصی شہرت ہو گئی اور انہیں آسانی سے مقدمے ملنے لگے۔

سچ پوچھیے تو محمد علی جناح کی طبیعت ملازمت کے ڈھب کی نہیں تھی۔ ملازمت چاہے کتنے اونچے درجے کی ہو، افسروں کی بات چاہے صحیح ہو یا غلط، ضرور ماننی پڑتی ہے اور جناح کی طبیعت میں آزادی کی محبت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ وہ کسی کے دبیل بن کے نہیں

رہنا چاہتے تھے۔ اِس کے ساتھ وہ بڑے بیباک اور صاف گو شخص تھے۔ جو بات جی میں آتی تھی، بے جھجک کہہ ڈالتے تھے۔ اُن کی ان خوبیوں نے لوگوں کو بہت جلد اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اُن کے پاس بڑے بڑے پیچیدہ مقدمے آنے لگے اور وہ ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے بمبئی کے وکیلوں کی صفِ اوّل میں جا کھڑے ہوئے۔ جوانی میں بڑے حسین اور جامہ زیب شخص تھے۔ اکہرا جسم تھا۔ خاصی کھلتی ہوئی رنگت۔ پھر جو لباس پہنتے تھے، بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اچھا لباس پہننے کا شوق انہیں بچپن سے تھا۔ جو مرتے دم تک رہا۔ لیکن افلاس کے زمانے میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں، انہوں نے محمد علی جناح کو روپے پیسے کی قدر کرنا سکھا دیا تھا۔ وہ گھر کا سارا حساب خود لکھتے تھے اور پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے بعد بھی اُن کا یہی انداز رہا۔

روپے پیسے کی طرف سے دل جمعی ہو گئی تو وہ تاج محل ہوٹل کے پاس کی ایک عمارت میں اُٹھ آئے۔ ایک بگھی بھی خریدی اور خاصے ٹھاٹھ سے رہنے لگے۔ فراغت اور دل جمعی کے اس زمانے میں بھی اُن کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُن میں نَو دولت لوگوں کی سی اکڑ تکڑ تو نہ تھی،

البتہ رکھ رکھاؤ ضرور تھا اور وہ اپنے آپ کو بہت سے لئے دیئے رکھتے تھے یہ چیز اُن میں فراغت کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ شروع سے ان کا انداز یہی تھا ؏

کانگریس

ہندوستان میں ہندوستانیوں کے حقوق کی ضمانت کے لئے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے نام سے ایک انجمن مدّت سے چلی آتی تھی۔ اِس جماعت میں زیادہ تعداد تو ہندوؤں کی تھی لیکن کچھ مسلمان بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اس انجمن سے مسلمانوں کے الگ رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریز مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ بڑے بڑے انگریز مدبّروں کا خیال تھا کہ ہندوستان میں کبھی کوئی شورش ہوئی تو مُسلمانوں ہی کی وجہ سے ہو گی۔ کیونکہ ابھی ان کے سر سے حکومت کا نشّہ نہیں گیا۔ بعض انگریز یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کی تو گھٹّی ہی میں بغاوت

پڑی ہے۔ ان کا مذہب انہیں یہی سکھاتا ہے کہ دوسرے مذہب والوں کی اطاعت قبول نہ کرو۔ اس لئے یہ کبھی نچلے نہ بیٹھیں گے۔ جب موقع پائینگے ضرور حکومت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں گے ؛

مسلمان لیڈروں نے جن میں سر سیّد احمد خاں پیش پیش تھے، انگریزوں کے دماغ سے اس قسم کے خیالات نکالنے کی بڑی کوشش کی اور حکومت کی اطاعت اور وفاداری پر اتنا زور دیا کہ مسلمان سچ مچ ہندوستان کے سیاسی معاملات سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ بلکہ جب کانگریس قائم ہوئی تو اس سے بھی کوئی سروکار نہ رکھا۔ اُن دنوں کانگریس سے جو مسلمان ہمدردی رکھتے تھے۔ اُن کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور اُن میں بھی دو چار ہی باقاعدہ کانگریس کے ممبروں میں شامل تھے لیکن محمد علی جناح کی طبیعت کا میلان شروع سے کانگریس کی جانب تھا۔ جن دنوں وُہ ولایت میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اُنہی دنوں کانگریس کی تحریک سے اُنہیں ایک قسم کی دلبستگی سی ہو گئی تھی اور دادا بھائی نوروزجی کو پارلیمنٹ کا ممبر بنانے میں ولایت کے دوسرے ہندوستانی طالب علموں کی طرح انہوں نے بھی بڑا حصہ لیا تھا۔ ولایت سے واپس آنے کے بعد برسوں تک اُنہیں پیٹ

کے دھندوں نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ کسی دوسری طرف توجّہ کرسکیں۔ جب اُن کی بیرسٹری خاصی چل گئی اور اطمینان اور فراغت کے ساتھ زندگی بسر ہونے لگی تو انہوں نے ملکی معاملات کی طرف توجّہ کی اور کانگریس کے ممبر ہو گئے ۔

مسلمان کہنے کو تو سیاسی معاملات سے بے تعلّق تھے لیکن یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اُنہیں بھی ہندوؤں کی طرح اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سیاسی معاملات میں حصّہ لینا پڑے گا۔ ۱۹۰۵ء میں ایک اہم واقعہ ہوا جس نے مسلمانوں کو سیاسیات میں حصّہ لینے پر مجبور کر دیا یعنی انگریزی حکومت نے بنگال کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ مسلمان بہت خوش ہوئے کیونکہ مشرقی بنگال کے نئے صوبہ میں جس میں آسام کا علاقہ بھی شامل تھا اُن کی تعداد ہندوؤں سے بہت زیادہ تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ نئے صوبے میں ہماری تعداد زیادہ ہے اس لئے ملازمتوں پر بھی ہمارا ہی قبضہ ہوگا۔ آگے چل کے لوگوں کو حقوق ملے۔ یورپ کے جمہوری ملکوں کے ڈھنگ کی حکومت قائم ہوئی تو اُس میں بھی ہم پیش پیش نظر آئیں گے لیکن بنگالی ہندوؤں نے بنگال کی تقسیم کے خلاف اس زور سے تحریک شروع کی کہ انگریز حکام بھی گھبرا گئے۔ کانگریس

میں تو ہندو ہی ہندو بھرے ہوئے تھے۔ اِس لئے اُس نے بھی اس تحریک کی حمایت کی ؀

مسلمانوں نے یہ رنگ دیکھا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کانگریس کی طرح کوئی انجمن قائم کی جائے۔ اب تک مسلمانوں میں جو تحریکیں شروع ہوئی تھیں اُن میں سب سے زیادہ طاقت ور علی گڑھ کی تحریک تھی۔ یہ تحریک جس کے بانی سر سید احمد خاں تھے یوُں تو خالص تعلیمی تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او۔ کالج کے نام سے ایک اعلیٰ درجہ کا کالج قائم کر لیا تھا۔ اگرچہ سر سید احمد خاں چاہتے تھے کہ مسلمان سیاست کے بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے تعلیم پر اپنی ساری طاقت خرچ کر دیں اور جب تک تعلیم میں وہ ہندوؤں کی برابری کرنے کے لائق نہیں ہو جاتے سیاست سے اپنا دامن بچائے رکھیں، لیکن علی گڑھ سے کبھی کبھی مسلمانوں کے حقوق کی حمایت میں بھی کوئی نہ کوئی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ اب جو بنگالی ہندوؤں کی تحریک نے زور باندھا تو مسلمانوں نے ڈھاکہ میں ایک جلسہ کیا۔ جس میں مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اگرچہ اس جلسہ میں سر سید احمد خاں مرحوم کے پرانے ساتھیوں کے علاوہ ملک کے سر برآوردہ مسلمان شریک تھے،

اور یہ تحریک ایسی نہیں تھی جو ہندوستان کے کسی ایک کونے تک محدود
رہی ہو۔ بلکہ دیکھتے دیکھتے ملک بھر میں لیگ کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ پھر بھی
محمد علی جناح جو کانگرسی لیڈروں کی پہلی صف میں نظر آتے تھے اس تحریک سے
بالکل الگ رہے۔ اصل میں اُن کا خیال تھا کہ ہندو مسلمانوں کو مل کے حقوق
حاصل کرنے کے لیئے جدو جہد کرنی چاہیئے اور یہ بات بظاہر تو ٹھیک معلوم
ہوتی تھی لیکن آگے چل کے اُنھیں اپنی رائے بدلنی پڑی۔

بنگالی ہندوؤں نے بنگال کے دونوں حصّوں کو ایک کرنے کے لیئے
جو تحریک شروع کی تھی وہ کئی برس جاری رہی۔ اُس زمانے میں جناح
نے بیرسٹر کی حیثیت سے بڑا نام نکالا۔ بلکہ ایک ایسا عجیب اتفاق ہوا کہ
وہ انتخاب لڑے بغیر سُپریم امپیریل کونسل کے ممبر بن گئے۔ اُن دِنوں
ہندوستان میں یہ سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا اور بڑے بڑے دولتمند
لوگ اسے حاصل کرنے کے لیئے لاکھوں روپے خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتے
تھے۔ لیکن جناح کو امپیریل کونسل کی ممبری کے لیئے ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرنا
پڑا۔ اصل میں ہوا یہ کہ اس اعزاز کے لیئے دو شخص جو دولت اور عزت میں
ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے امیدوار تھے۔ لیکن دونوں کو یہ کھٹکا تھا کہ

اگر اس مقابلہ میں ہار گئے تو بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ صلاح ٹھہری کہ دونوں بیٹھ جائیں اور اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو کھڑا کر دیں جس کی قابلیت کا لوہا سب مانتے ہوں۔ اُن دونوں بمبئی بھر میں جناح کی لیاقت کے جھنڈے گڑے تھے۔ اس لئے اُن دونوں نے انہیں اپنی جگہ کونسل میں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور محمد علی جناح بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو گئے۔ امپیریل کونسل میں جناح نے اس خوبی سے ہندوستانیوں کی نمائندگی کی کہ دوست دشمن سب پر اُن کی ذہانت اور لیاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اُن کی تقریریں بڑے زور کی ہوتی تھیں۔ لوگ سنتے تھے اور وجد کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بڑی بے باکی سے گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرتے تھے اور طرزِ حکومت کے نقائص اس جرأت اور ہمت سے گنواتے تھے کہ ہندوستانی تو ہندوستانی، انگریز بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اب تک تو کانگریس کے سوا اور کسی جماعت سے اُن کا تعلق نہیں تھا۔ لیگ سے وہ بالکل الگ تھلگ رہے تھے اور اُن کی پختہ رائے یہی تھی کہ مسلمانوں کو کانگریس میں رہ کے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدّوجہد کرنی چاہیئے لیکن جن دنوں وہ امپیریل کونسل کے ممبر تھے کچھ باتیں ایسی ہوئیں کہ

وہ یا تو لیگ کا نام سُنکے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے یا خود لیگ میں شامل ہو گئے اور اِس کے کاموں میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کے حصّہ لینے لگے۔

یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ جب بنگال کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تو مسلمان بہت خوش ہوئے تھے اور اگرچہ ہندو بنگال کے یوں دو حصّوں میں بٹ جانے پر بہت ناراض تھے، انگریز یہی کہتا رہا کہ بنگال کی تقسیم کا فیصلہ پتھر کی لکیر ہے۔ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے اس فیصلہ میں ذرّہ بھر فرق نہیں آئے گا۔ لیکن بنگالی ہندوؤں کی تحریک بھی اس بلا کی تھی جس نے سچ مچ پتھر کو موم کر ڈالا۔ چنانچہ بنگال کے دو ٹکڑے ہوئے پورے چھ برس گزرے تھے کہ دِلّی میں بڑی دھوم دھام سے ایک دربار ہوا جس میں اعلان کیا گیا کہ بنگال کی تقسیم منسوخ کی جاتی ہے۔ مسلمان تو مسلمان، ہندوؤں کو بھی سان گمان نہیں تھا کہ انگریز اس قدر جلد اپنے اُس فیصلہ کو جو بڑے طمطراق سے کیا گیا تھا، منسوخ کر دیں گے۔ ہندوؤں نے تو اِس اعلان پر بڑی خوشیاں منائیں۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ پھر بھی انہوں نے اس واقعہ سے ایک سبق ضرور سیکھا کہ اگر انہیں ہندوستان میں عزّت و آبرو سے زندگی بسر کرنا ہے تو ہندوؤں کی طرح انہیں بھی

اپنے حقوق کے لئے جدو جہد کرنی پڑے گی ؛

جناح اب تک تو لیگ سے الگ تھلگ رہے تھے بعض مسلمان لیڈر اُن سے کئی بار لیگ میں شامل ہونے کو کہہ چکے تھے لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اِس واقعہ کے بعد جب مولینا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن نے اُن سے لیگ میں شامل ہونے کو کہا تو وہ فوراً آمادہ ہو گئے محمد علی جناح دِلّی دربار سے کوئی دو برس کے بعد یعنی ۱۹۱۳ء میں لیگ کے ممبر ہوئے۔ اگرچہ لیگ کے ممبر بننے کے بعد بھی کانگریس سے اُن کا تعلق قائم رہا لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تقسیمِ بنگال کے جھگڑے میں کانگریس کا جو طرزِ عمل رہا تھا اُس نے اُنہیں کانگریس سے کسی قدر بددل ضرور کر دیا تھا۔ اُنہوں نے اس موقع پر کچھ کہا تو نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل پر ہندوؤں کی تنگ دِلی کا نقش خاصا گہرا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ سیاسیات میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے راستے الگ الگ ہیں۔ پھر بھی اُن کے دل کو یہ اُمید سہارا دیئے چلی جاتی تھی کہ شاید یہ دونوں راستے آگے چل کے کسی منزل پر آپس میں مل جائیں اور ہندو مسلمان ایک ہو کے ملک کی آزادی کے کام میں جُٹ جائیں ؛

مُسلم لیگ

مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی۔ لیکن کئی برس تو اُس نے عرض معروض کے دائرہ سے قدم ہی باہر نہ نکالا۔ بہت ہوا تو میموریل بھیج دیا یا لاٹ صاحب کی خدمت میں لیگ کے لیڈروں کا وفد پیش ہو گیا۔ اصل میں کانگریس نے بھی شروع شروع میں یہی کیا تھا۔ لیکن کانگریس سیاسیات کے میدان میں لیگ سے پہلے اُتری تھی اور جب لیگ قائم ہوئی۔ کانگریس اس دور سے نکل چکی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں جب تقسیم بنگال منسوخ کی گئی تو لیگ کے لیڈر ذرا چونکے۔ اُنہی دنوں طرابلس اور بلقان کی لڑائیاں چھڑ گئیں۔ یورپ میں ترکی ہی مسلمانوں کی ایک حکومت تھی۔ اُسے بھی یورپ کی عیسائی سلطنتیں چین نہیں لینے دیتی تھیں۔ بلقان

کی ریاستوں نے جو ترکی کے ماتحت تھیں، بغاوت کر دی۔ پھر اٹلی نے ترکوں سے طرابلس کا علاقہ جو شمالی افریقہ میں ہے، چھین لیا۔ چونکہ ترکی کا سلطان خلیفہ کہلاتا تھا اور سارے مسلمانوں کا پیشوا سمجھا جاتا تھا اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ اگرچہ انگریزوں نے ان لڑائیوں میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا۔ پھر بھی مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ یورپ میں ترکوں کو مٹانے کی جو سازشیں ہو رہی ہیں۔ اُن میں برطانیہ کا بھی ہاتھ ہے۔ اگرچہ مسلم لیگ کے رنگ ڈھنگ میں تو بظاہر کوئی فرق نہیں آیا تھا، لیکن اس قسم کے خیالات ہر شخص کے دل میں موج مار رہے تھے۔ بڑے بڑے لیڈر تو عام جلسوں میں اس قسم کی باتیں کہتے جھجکتے تھے، لیکن لوگوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ جہاں چند لوگ مل بیٹھتے تھے، یہی باتیں چھڑ جاتی تھیں۔ محلوں، ٹولوں، گلی کوچوں، قہوہ خانوں، ہوٹلوں اور مسجدوں میں یہی ذکر اذکار تھے۔ انہی دنوں ہندوستان میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ مسلمانوں کے جذبات یک بیک بھڑک اٹھے:۔

کانپور کے مچھلی بازار میں ایک مسجد تھی۔ سرکار نے سڑک نکالنی چاہی تو اس مسجد کا ایک حصہ جس میں حمام تھا، سڑک میں آگیا۔ چنانچہ مسجد کا یہ حصہ گرا دیا

گیا۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ ایک دن بہت سے مسلمان جمع ہوئے اور مسجد کے اس حصے کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لئے اینٹیں چُننے لگے۔ یہ کوئی ایسا بڑا جرم نہیں تھا۔ لیکن ایک انگریز افسر کی عقل پر نہ جانے کیسا پردہ پڑ گیا کہ اس نے ان لوگوں پر گولی چلانے کا حکم دے دیا اور بہت سے لوگ جن میں بچے اور بوڑھے بھی تھے، شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے دل تو پہلے ہی دُکھے ہوئے تھے۔ کان پور میں گولی کیا چلی، گھر گھر کہرام مچ گیا اور جو باتیں کہنے سے لوگ اب تک جھجکتے رہے تھے وہ برملا زبانوں پر آنے لگیں۔ حکومت نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے بڑی کوششیں کیں اور بظاہر یہ معاملہ رفع دفع بھی ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں کو انگریزی حکومت سے جو بدگمانی تھی، وہ دہ چند ہو گئی اور مسلمانوں کے جو لیڈر کانگریس کا نام بھی نہیں سُننا چاہتے تھے، اُن کی نظریں بے اختیار کانگریس کی طرف اُٹھنے لگیں۔

کان پور کے حادثہ کو سال بھر ہوا تھا کہ یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ ترک پہلے پہل تو غیر جانبدار رہے تھے لیکن آخر اُنہیں بھی جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ انگریزوں سے اُن کے تعلّقات کچھ ایسے بُرے تو

نہیں تھے لیکن انہوں نے اس لڑائی میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ کئی مسلمان لیڈر
جن میں مولینا ابوالکلام آزاد، مولینا محمد علی اور اُن کے بڑے بھائی مولینا شوکت علی
شامل تھے، ترکوں سے ہمدردی رکھنے کے جرم میں گرفتار کر کے نظر بند کر دیئے
گئے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے کھُلم کھُلا ترکوں کی حمایت کی تھی۔ بہت
سے ایسے لوگ بھی تھے جن کی زبانیں انگریزوں کے ساتھ تھیں اور دل ترکوں
کے ساتھ اور عام لوگوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ ترکوں اور اُن کے ساتھیوں
کی کامیابی کی خبریں سُن کے خوش ہوتے۔ انگریز کی فتحمندی کی کوئی خبر سنتے تو
یہ کہہ کے ٹال دیتے کہ نرا پروپگینڈا ہے۔ محلّوں، ٹولوں، قہوہ خانوں، عام دکانوں
پر اکثر محفلیں جمتی تھیں۔ ایک شخص اخبار پڑھتا تھا، باقی سنتے جاتے تھے۔ بیچ
بیچ میں فقرے بھی کسے جاتے تھے۔ دیہات کے لوگوں میں اتنی سُوجھ بوجھ
نہیں تھی۔ ایک تو تعلیم بہت کم تھی۔ پھر خبریں پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔
کہیں مدّت کے بعد کوئی پرانا اخبار ہاتھ آجاتا تھا تو چوپال میں خاصی محفل جم
جاتی تھی۔ پھر یہ لوگ حکومت سے ڈرتے بھی بہت تھے۔ دل کی بات زبان
پر مشکل ہی سے آتی تھی۔ تاہم کبھی کبھی لوگوں کی بات چیت سے یہ ضرور معلوم
ہوتا تھا کہ وہ حکومت سے کچھ ایسے خوش نہیں ⁂

ہندوستانی کثرت سے فوج میں بھرتی ہوئے۔ اُن میں بھی زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ کیونکہ اس زمانے تک وہی مالکِ شمشیر سمجھے جاتے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جن کا آبائی پیشہ سپاہ گری ہے۔ بہت سے لوگ مفلسی کے ہاتھوں سے مجبور ہو کے فوج میں بھرتی ہو گئے تھے، کیونکہ جنگ کے زمانے میں گرانی حد سے بڑھ گئی تھی۔ پھر بھی ترکی کے جنگ میں شامل ہونے کے بعد کہیں کہیں مسلمانوں کی پلٹنوں میں شورشیں ہوئیں اور سنگاپور میں تو پٹھانوں کی پلٹن نے بغاوت کر دی۔ یہ لوگ مدت سے ملایا میں تھے۔ انہیں مشرقِ قریب میں جہاں ترکوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی، جانے کا حکم ہوا، تو وہ بگڑ گئے اور سنگاپور پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے بڑی مشکل سے یہ بغاوت فرو کی اور جن لوگوں نے اس شورش میں حصہ لیا تھا اُن سب کو قتل کر ڈالا ؛

جنگ کے زمانے میں بعض انگریز لیڈروں نے وعدے کئے تھے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کی حکومت کے ڈھنگ میں کچھ تبدیلیاں کی جائنگی اور ہندوستانیوں کو اپنے ملک میں حکومت کرنے کا حق دیا جائے گا۔ مسٹر جناح نے جو کانگریسی لیڈروں میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے تھے یہ کوشش

شروع کی کہ کسی طرح لیگ اور کانگریس کا جلسہ ایک جگہ ہو، تاکہ برطانوی حکومت سے جو مطالبہ کیا جائے، مل کے کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں کانگریس اور لیگ دونوں کے جلسے بمبئی میں ساتھ ساتھ ہوئے۔ اب تک ہندوستان کے لوگوں کو زیادہ حقوق حاصل نہیں تھے۔ پھر بھی انتخاب جداگانہ ہوتا تھا۔ یعنی جن جن مجلسوں میں لوگوں کے نمائندے شریک ہوتے تھے، اُن کے مسلمان نمائندے مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب کیے جاتے تھے اور ہندوؤں کے نمائندے ہندوؤں کے ووٹوں سے۔ اس زمانے میں پہلی دفعہ مسلمان لیڈر اس بات پر کسی حد تک آمادہ ہوئے کہ مخلوط انتخاب کے طریقہ کو رواج دیا جائے۔ یعنی ہندو مسلمان جس شخص کو مناسب سمجھیں۔ مل کے ووٹ دیں۔ لیکن یہ تجویز کامیاب نہ ہوئی۔ بمبئی میں لیگ کا جو جلسہ ہوا تھا اس میں مسلمان لیڈروں کے علاوہ بڑے بڑے ہندو لیڈر بھی موجود تھے۔ اس پر کچھ مسلمان بگڑ گئے اور جلسہ میں شور مچا دیا۔ بات ایسی بڑھی کہ فساد تک نوبت جا پہنچی۔ پھر بھی اتنا طے ہو گیا کہ لیگ اور کانگریس کے لیڈر دونوں مل کے کوئی سکیم بنائیں۔ اگلے سال لکھنؤ میں لیگ اور کانگریس دونوں کے جلسے ساتھ ساتھ ہوئے۔ لیگ کے جلسے کے صدر مسٹر جناح تھے۔ دونوں مجلسوں کے نمائندوں

نے جو سکیم بنائی تھی۔ وہ ان جلسوں میں پیش ہوئی اور منظور کر لی گئی ؛

اس سکیم کا خلاصہ یہ تھا کہ جب ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کونسلیں یعنی قانون بنانے والی مجلسیں قائم ہوں تو اس کے ممبر جداگانہ انتخاب کے ذریعے منتخب کئے جائیں یعنی ہندو ہندوؤں کو ووٹ دیں اور مسلمان مسلمانوں کو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہو گیا کہ ہر صوبہ میں اتنے مسلمان ممبر ہوں گے اور اتنے ہندو۔ لیکن اس سکیم میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ وہاں انہیں اپنے حق سے زیادہ کچھ ممبریاں تو مل گئیں۔ لیکن جن صوبوں میں ان کی گنتی ہندوؤں سے زیادہ تھی وہاں ان کی ممبریوں کی تعداد گھٹا دی گئی۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی گنتی ہندوؤں سے زیادہ تھی لیکن اس سکیم کے مطابق انہیں پنجاب میں پچاس اور بنگال میں چالیس فی صدی ممبریاں ہاتھ آئیں۔ اس طرح ملک کے ہر صوبے کی کونسل پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا ؛

مسٹر جناح کی عمر اس زمانے میں چالیس برس کی تھی۔ ان کا شمار ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈروں میں ہوتا تھا۔ وہ کانگریس ہی کے نہیں لیگ کے بھی لیڈر تھے اور کانگریس اور لیگ کو جو آج تک الگ

الگ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے پاس لانے اور ہندو مسلمان لیڈروں کو گلے ملوانے کا سہرا اُنہی کے سر تھا۔ پھر بھی انصاف کی بات یہ ہے کہ لکھنؤ میں لیگ اور کانگریس کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا تھا، اُس میں ہندوؤں ہی کا فائدہ تھا۔ جناح سمجھتے تھے کہ چلو اس طرح جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ وہاں کی کونسلوں میں بھی خاصے مسلمان دکھائی دینے لگیں گے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ جب ہندو مسلمانوں میں میل جول بڑھے گا۔ تو اپنایت اور اتحاد کے راستے میں آج جو رکاوٹیں ہیں، وہ دور ہو جائیں گی اور مسلمان جو کچھ چاہیں گے مل جائے گا۔ لیکن اُن کی یہ اُمید پوری نہ ہوئی اور عجیب بات تو یہ ہے کہ اتنا کچھ پانے پر بھی بعض ہندو لیڈر خوش نہیں تھے ::

ہوم رُول کی تحریک

لکھنؤ کے اِس سمجھوتہ کو سال بھر ہوا تھا کہ ہوم رول لیگ قائم ہوئی۔ جس
میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے
ملک میں اپنا راج ہو اور سچ پوچھیے تو یہ تحریک خوب پھولی پھلی۔ جنگ
کے آخری زمانے میں تو اِس تحریک کا بڑا چرچا تھا اور لکھنؤ کے ایک
شاعر کا یہ شعر بچے بچے کی زبان پر چڑھا ہوا تھا ؎

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
ملے بہشت، نہ لیں ہوم رُول کے بدلے

جناح شروع شروع میں تو اس تحریک سے الگ تھے۔ لیکن

حکومت نے سختی شروع کی تو وہ بھی ہوم رُول لیگ میں شامل ہو گئے اور کئی جلسوں میں معرکہ کی تقریریں کیں۔ جن میں حکومت پر بڑی سخت نکتہ چینی کی گئی تھی ؛

اسی زمانے میں انہوں نے دوسری شادی کی۔ انہوں نے پہلی شادی تو ماں باپ کی مرضی سے کی تھی۔ لیکن وہ ابھی ولایت میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ بیوی کا انتقال ہو گیا۔ دوسری شادی انہوں نے اپنی مرضی سے کی اور اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ اُن کی دوسری بیوی رتن جناح بمبئی کے مشہور پارسی کروڑپتی سر ڈنشا پٹیٹ کی صاحبزادی تھیں ۱۹۱۶ء میں جب لکھنؤ میں کانگریس اور لیگ کے جلسے ہو رہے تھے، جناح سے پہلی مرتبہ اُن کی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر بھی بمبئی میں اکثر اُن سے ملنے کا موقع ملتا رہا۔ بالآخر دونوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ مس رتن پٹیٹ اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کے مسلمان ہونے پر آمادہ ہو گئیں اور قاضی نے شریعتِ اسلامی کے مطابق نکاح پڑھا دیا۔ سر ڈنشا پٹیٹ بمبئی کے پارسیوں میں دولت اور اثر کے لحاظ سے بہت اونچا رتبہ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے بڑا زور مارا کہ کسی طرح یہ شادی منسوخ ہو جائے۔ چنانچہ معاملہ عدالت تک پہنچا لیکن

مسز جناح کی عمر اٹھارہ برس سے زیادہ تھی۔ اُنہوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس لئے سر ڈنشا کی کوئی پیش نہ چلی ٭

اِس ہنگامہ کو مہینہ بھر ہُوا تھا کہ لارڈ ولنگڈن سے جو اُن دنوں بمبئی کے گورنر تھے، مسٹر جناح کا جھگڑا ہو گیا۔ لارڈ ولنگڈن بڑے اکل کھرے تھے اور ہوم رُول لیگ سے تو اُنہیں ضد سی ہو گئی تھی۔ اُنہوں نے یکم جُون کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں جنگی امداد کے سلسلے میں ایک کانفرنس کی۔ اس میں انہوں نے جو تقریر کی اُس میں ہوم رُول لیگ پر بڑی کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ جناح نے اپنی تقریر میں تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ لارڈ ولنگڈن بہت بگڑے لیکن موقع ایسا تھا کہ کچھ نہ کہہ سکے اور خون کے گھونٹ پی کے رہ گئے ٭

کوئی دو ہفتے کے بعد لارڈ ولنگڈن کی تقریر کے خلاف ناراضی ظاہر کرنے کے لئے ہوم رُول ڈے منایا گیا۔ مسٹر جناح نے اس روز ایک عام جلسے میں بڑی معرکے کی تقریر کی، جس میں لارڈ ولنگڈن پر بڑی لے دے کی گئی تھی۔ اِس واقعہ کے بعد لارڈ ولنگڈن کوئی چھ مہینے بمبئی میں رہے کیونکہ دسمبر میں اُن کی گورنری کی میعاد ختم ہونے کو تھی۔ اگرچہ اُنہیں کوئی

ہندوستانی پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی سرکاری افسر چاہتے تھے کہ کسی طرح اُن کے اعزاز میں ایک دعوت ہو جائے۔ بمبئی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی، جو سرکار کو خوش کرنے کے لئے نت نئے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ چنانچہ یہ تجویز طے پائی کہ بمبئی کے ٹاؤن ہال میں جلسہ ہو اور بمبئی کے لوگوں کی طرف سے لارڈ ولنگڈن کو ایڈریس دیا جائے اور کچھ لوگ تو اس بات پر زور دے رہے تھے کہ بڑا جلسہ ہی نہ ہو بلکہ چندہ جمع کر کے لارڈ ولنگڈن کی یادگار قائم کی جائے۔ ادھر مسٹر جناح نے بمبئی کے شیرف کو خط لکھا کہ ہمیں بھی ٹاؤن ہال میں جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اجازت تو کیا ملتی۔ البتہ ۱۱ر دسمبر کو لارڈ ولنگڈن کی خدمت میں ایڈریس پیش کرنے کے لئے جلسہ ہوا۔ تو اس میں اس زور کا ہنگامہ ہوا کہ جلسہ ٹھپ ہو کے رہ گیا۔

۱۱ر دسمبر کی صبح کو سب سے پہلے مسٹر جناح ٹاؤن ہال میں داخل ہوئے۔ اُن کے ساتھی جو ہوم رول لیگ کے ممبر تھے، اُن کے ساتھ نظر آتے تھے۔ جلسہ پانچ بجے ہونے کو تھا۔ لیکن یہ لوگ صبح سویرے ہی جلسہ گاہ کی اگلی نشستوں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ پانچ بجے جب جلسہ شروع ہوا تو یہ کیفیت تھی

کہ جتنے لوگ ٹاؤن ہال کے اندر تھے۔ اُس سے تگنا چوگنا مجمع باہر تھا اور اگر مسز جناح جو رضا کاروں کا ایک دستہ لئے باہر کھڑی تھیں۔ ہجوم کو قابو میں نہ رکھتیں، تو نہ جانے کیا ہوتا۔ پھر بھی جلسہ شروع ہوا تو اتنا شور مچا کہ خدا کی پناہ۔ اِس عالم میں ایڈریس کون پڑھتا۔ صدر نے کھڑے ہو کر چند الفاظ کہے اور اعلان کر دیا گیا کہ لیجئے ایڈریس پڑھ دیا گیا۔ اب بھی شور برابر مچا ہوا تھا اور زور زور کے نعرے لگ رہے تھے۔ اتنے میں پولیس کے کمشنر صاحب پولیس کا ایک دستہ لے کے آئے اور ہال خالی کرانے لگے۔ اس موقع پر کچھ ہاتھا پائی بھی ہوئی۔ پولیس نے مسٹر جناح اور اُن کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور کچھ لوگ جن میں خود مسٹر جناح بھی شامل تھے، زخمی ہو گئے۔ مسٹر جناح ہال سے نکلے تو جو ہجوم باہر کھڑا تھا اُس نے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ یہ لوگ جلوس کی شکل اپالو بندر پہنچے وہاں جلسہ ہوا جس میں مسٹر جناح نے بھی تقریر کی۔ رات کو پھر ایک جلسہ ہوا جس میں لارڈ ولنگڈن کو ایڈریس دینے کی حرکت کی مذمت کی گئی۔ بمبئی کے خطاب یافتہ لوگوں نے یہ جلسہ تو اس لئے کیا تھا کہ لارڈ ولنگڈن کی یادگار قائم کی جائے لیکن یہ تجویز تو پروان نہ چڑھی البتہ جناح ہال کے نام سے مسٹر جناح کی اِس شاندار فتح کی یادگار ضرور قائم ہو گئی ☆

رولٹ ایکٹ اور تحریکِ خلافت

ہندوستان کے لوگوں کو یہ اُمید تھی کہ جنگ ختم ہو گی تو حکومت کے ڈھانچے میں تبدیلیاں کر کے سارے اختیارات ہمارے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ حکومت نے سیاسی مجرموں کو سزا دینے کے لئے ایک قانون منظور کیا، جس نے سارے ملک میں آگ سی لگا دی۔ اِس قانون کا مسودہ بنانے کے لئے جو کمیٹی بنی، اس کے صدر سر سِڈنی رولٹ تھے۔ اس لئے یہ قانون رولٹ ایکٹ کہلاتا ہے۔ امپیریل کونسل میں جب رولٹ ایکٹ کا مسودہ پیش ہوا۔ تو مسٹر جناح نے اس کی مخالفت میں ایک پُر زور تقریر کی۔ لیکن حکومت نے پروا نہ کی اور یہ قانون

منظور کر لیا گیا۔ مسٹر جناح نے اِس عالم میں وہی کیا۔ جو اُن جیسے خودد ار شخص کو کرنا چاہئے تھا۔ یعنی امپیریل کونسل کی ممبری سے استعفا دے دیا ۔

گاندھی جی جو مدت تک جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی رہنمائی کرتے رہے تھے، ان دنوں ہندوستان میں تھے۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی تھی، اُس کے لیڈر وہی تھے۔ لیکن تحریک نے ایسا زور پکڑا کہ اُسے قابو میں رکھنا ناممکن ہو گیا۔ مارچ کے اخیر میں فوج نے ایک مجمع پر گولی چلا دی۔ گاندھی جی نے تین دن کا برت رکھا۔ دُعا کے لئے ایک دن مقرر کیا۔ لیکن دِلّی کے حادثہ سے تیرھویں دن ایک اکھڑ فوجی افسر جنرل ڈائر نے امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک نہتّے ہجوم پر گولی چلا دی اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ حکومت نے پنجاب میں جگہ جگہ مارشل لا نافذ کر دیا یعنی شہروں کے شہر فوج کے حوالے کر دیئے گئے۔ گوروں نے جی بھر کے ظلم کئے۔ لیکن اس طرح لوگ زیادہ بھڑک اُٹھے اور رولٹ ایکٹ کی مخالفت اِس طرح پھیلی جس طرح سُوکھے بن میں آگ پھیلتی ہے۔ اس تحریک میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ لیکن انہی دنوں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے مسلمانوں کو زیادہ مشتعل کر دیا ۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یورپ کی جنگ میں تُرک جرمنی کے ساتھ تھے۔ جرمنی کے ساتھ تُرکی کو بھی شکست ہوئی اور بہت سا علاقہ چھن گیا۔ انگریز چاہتے تھے کہ یورپ سے ترکوں کو بالکل ہی بے دخل کر دیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکوں سے بڑی محبت تھی۔ اس کے علاوہ ترکی کا سلطان ساری دنیا کے مسلمانوں کا پیشوا یعنی خلیفۃ المسلمین کہلاتا تھا اور اگرچہ اس کی خلافت نام کی خلافت تھی۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ سہارا بھی بہت تھا۔ اب جو انہوں نے یہ سہارا بھی مٹتے دیکھا تو بے چین ہو گئے۔ ایک تو رولٹ ایکٹ کی وجہ سے پہلے ہی ملک بھر میں شور برپا تھا۔ خلافت کے قِصّے نے جلتی آگ پر تیل کا کام دیا اور خلافت کی حمایت میں ملک کے ہر گوشے سے صدائیں بلند ہونے لگیں۔ انہی دنوں مولانا محمد علی اور اُن کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی جنہیں جنگ کے زمانے میں نظر بند کر دیا گیا تھا، رہا ہوئے اور اُن کی رہنمائی میں خلافت کی تحریک نے بڑا زور پکڑا ❊

اس زمانے میں مجلس خلافت اور نیشنل کانگریس دونوں کی تحریکیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور مسلم لیگ اُن کے سامنے بالکل ماند ہو کے رہ گئی تھی۔ ہندو لیڈر مسلمانوں کے جلسوں میں تقریریں کرتے تھے۔ مسلمان رہنما ہندوؤں

کے جلسوں میں شامل ہوتے تھے۔گاندھی جی اور علی برادران ہندو مسلمان دونوں کے لیڈر تھے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنایت اور اتحاد کا یہ رشتہ ایسا پکّا ہے جو کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔ لیکن یہ اتحاد جس تیزی سے ہوا تھا اسی تیزی سے مٹ گیا اور ہندو مسلمان پہلے سے بھی زیادہ ایک دوسرے سے دُور ہو گئے ؛

بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کی تحریک تو پہلے ہی چل رہی تھی۔ اب کانگریس اور خلافت کے لیڈروں نے مل کے یہ تحریک چلائی کہ سرکاری نوکریوں بلکہ سرکاری مدرسوں اور کالجوں کا بھی بائیکاٹ کر دیا جائے۔ بہت سے لوگوں نے نوکریاں چھوڑ دیں۔ طالب علموں نے سرکاری کالجوں اور مدرسوں کے بائیکاٹ کی تحریک میں بھی بڑا حصّہ لیا۔ اسی زمانے میں حکومت کے پُرانے طریقوں میں بہت کچھ ادل بدل ہوا تھا۔ قانون بنانے کے لیے کونسلیں قائم کی گئی تھیں جن کے نمائندوں میں سے زیادہ لوگ ووٹوں کے ذریعے منتخب ہوتے تھے۔ جو لوگ اِس طرح چُنے جاتے تھے اُن میں سے وزیر چُن کے بعض خاص خاص محکمے اُن کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ کانگریس اور خلافت نے کونسلوں کا بھی بائیکاٹ کیا اور یہ تحریک جسے ترک موالات یا

عدم تعاون کی تحریک کہتے ہیں، خوب چلی۔ لیکن مسٹر جناح نے اس تحریک میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔ اُنہیں خلافت کی تحریک سے بھی ہمدردی تھی اور رولٹ ایکٹ کے تو وہ اتنے پُرزور مخالف تھے کہ اُنہوں نے امپیریل کونسل کی ممبری ہی سے استعفا دے دیا تھا۔ پھر بھی وہ سمجھتے تھے کہ کونسلوں اور نوکریوں کے بائیکاٹ سے لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔ کونسلوں سے الگ رہنے کے بجائے یہ اچھا ہے کہ لوگ کونسلوں میں جائیں اور ڈٹ کے حکومت کا مقابلہ کریں۔ علامہ اقبال اگرچہ ابھی تک سیاسی جھگڑوں میں نہیں پڑے تھے لیکن وہ بھی اس معاملہ میں مسٹر جناح کے ہم خیال تھے۔

ہندو مسلم اتحاد پر خود ہندوؤں ہی نے کاری ضرب لگائی۔ یعنی اُدھر تو ہندو مہاسبھا نے یہ نعرہ لگایا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے دوسری طرف آریہ سماج نے ملکانہ راجپوتوں کو جن کے باپ دادا ہندو دھرم چھوڑ کے مسلمان ہو گئے تھے، پھر اپنے مذہب میں شامل کرنا چاہا۔ اِس پر جھگڑے ہوئے، فسادات کا طوفان امڈا۔ جگہ جگہ ہندو مسلمانوں میں لڑائیاں ہونے لگیں اور سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں کو صاف نظر آ گیا کہ سیاسیات میں ہندو مسلمانوں کے راستے الگ الگ ہیں۔

مسٹر جناح کے چودہ نکات

ہندو مسلمانوں میں جو جھگڑے شروع ہوئے تھے ، وہ کئی برس رہے
ایک جھگڑا ختم ہونے نہیں پاتا تھا کہ کوئی دوسرا جھگڑا شروع ہو جاتا تھا۔
خلافت کمیٹی تو اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ کیونکہ ترکوں نے مصطفےٰ کمال کی
رہنمائی میں اپنے دشمنوں کو اوپر تلے کئی شکستیں دے کر یورپ میں اپنے
اُکھڑے ہوئے پاؤں مضبوطی سے جما لئے تھے۔ البتہ خلافت مٹ گئی۔
لیکن اسے ترکوں نے خود مٹایا یعنی خلافت کی جگہ جو اصل میں بادشاہت
تھی، جمہوری حکومت قائم کر دی۔ لیکن کانگریس میں بھی وہ پہلے سی رونق
نظر نہیں آتی تھی یعنی مسلمان اس سے الگ ہو چکے تھے۔ صرف چند مسلمان

لیڈر ابھی تک ساتھ دیئے چلے جاتے تھے ؛

۱۹۲۷ء میں برطانوی حکومت نے ہندوستان کو مزید اختیارات دینے کا ارادہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہندوستان کے حالات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ لیکن جو کمیشن مقرر ہوا اس کے سارے ممبر انگریز تھے اس پر ہندوستان میں بہت شور مچا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ہندو مسلمان رولٹ ایکٹ کے زمانے کی طرح پھر ایک ہو جائیں گے۔ کانگریس نے تو کمیشن کا اعلان ہوتے ہی فیصلہ کر لیا کہ بائیکاٹ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیگ کے بعض لیڈروں کا خیال تھا کہ کمیشن کا بائیکاٹ ہونا چاہیئے۔ بعض کہتے تھے کہ کانگریس بائیکاٹ کرتی ہے تو کرے ہم کیوں ساتھ دیں مسٹر جناح بائیکاٹ کے حامی تھے۔ پنجاب کے لیڈر بائیکاٹ کے مخالف۔ اس جھگڑے نے ایسا طول کھینچا کہ لیگ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ادھر ایک گروہ نے جس کے لیڈر سر محمد شفیع تھے۔ لاہور میں لیگ کا جلسہ کر کے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔ اُدھر مسٹر جناح نے کلکتہ میں لیگ کا سالانہ اجلاس کر کے کمیشن کے بائیکاٹ کی قرارداد منظور کی۔ اس سال کانگریس کا سالانہ اجلاس مدراس میں ہوا تھا۔ اجلاس کے ختم ہونے پر سارے

کانگریسی لیڈر کلکتہ پہنچے اور لیگ کے جلسے میں شریک ہوئے۔ اس جلسے میں اتحاد و یگانگت کے جو نقشے نظروں سے گزرے وہ پھر دیکھنے میں نہیں آئے۔ مولٰینا محمد علی، مولٰینا شوکت علی، مولٰینا ابو الکلام آزاد، مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت جواہر لال نہرو، ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر انصاری یعنی کانگریس اور لیگ کے سارے بڑے بڑے لیڈر موجود تھے۔ تقریروں میں ہندو مسلم اتحاد پر بڑا زور دیا گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کا زمانہ پھر پلٹ آیا ہے۔

کمیشن ہندوستان آیا تو سیاہ جھنڈوں اور "واپس جاؤ" کے نعروں سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ جگہ جگہ ہڑتالیں بھی ہوئیں۔ جلوس بھی نکلے۔ جلسے بھی کیئے گئے۔ لیکن کہیں کہیں صرف مسلمانوں ہی نے نہیں۔ ہندوؤں نے بھی آؤ بھگت کی۔ کیونکہ پنجاب کے مسلم لیگی ہی کمیشن کے حامی نہیں تھے۔ ہندو مہاسبھا بھی حامی تھی۔ کمیشن کے آنے سے پہلے ایک انگریز مدبّر نے کہا تھا کہ ہندوستان میں پھوٹ ہے اور پھوٹ رہے گی۔ اس لئے وہ اپنے ملک کی آئندہ حکومت کا کوئی ایسا خاکہ بنا ہی نہیں سکتے۔ جسے ہندوستان کی ساری جماعتیں قبول کر لیں۔ کمیشن آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ لیکن ہندوستانی

لیڈروں کے کانوں میں اس انگریز مدبّر کے الفاظ برابر گونج رہے تھے اور اُسے جواب دینے کا سب سے اچھا طریقہ تھا کہ ہندوستانی خود اپنے ملک کی آئندہ حکومت کا آئین مرتب کر کے پیش کر دیں۔ اب گفتگوئیں شروع ہوئیں مارچ ۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر دلی میں جمع ہوئے۔ اِس اجلاس میں مسٹر جناح نے چودہ مطالبات پیش کئے اور کہا کہ اگر ہندو انہیں مان لیں تو سمجھوتہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ یہ چودہ مطالبات جنہیں سارے مسلمان لیڈروں نے منظور کر لیا مسٹر جناح کے چودہ نکات کہلاتے ہیں اُن کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام صُوبے اپنی اپنی جگہ خود مختار ہونگے ہر صُوبے میں اقلیتوں یعنی تھوڑی تعداد رکھنے والی قوموں کو کافی ممبریاں دی جائیں گی اور ممبروں کی تعداد مقرر کرتے وقت اِس بات کا خیال رکھا جائیگا، کہ جو قوم کسی صُوبہ میں زیادہ تعداد رکھتی ہے اُس کی حیثیت میں فرق نہ آئے یعنی صوبہ کی قانون ساز مجلس میں اُسی کے ممبروں کی تعداد زیادہ رہے۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں جو سارے ہندوستان کے لئے قانون بنائے گی۔ مسلمان ممبروں کی گنتی تہائی سے کم نہیں ہو گی۔ جداگانہ انتخاب کا اصُول برقرار رہے گا۔ ہاں اگر کوئی قوم اُس سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو جائے تو

اور بات ہے کسی جماعت کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ کوئی ایسا قانون منظور نہیں ہو سکے گا جسے کسی جماعت کے تین چوتھائی ممبر اپنے لئے مضر قرار دے کے نامنظور کر دیں۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ سرحد اور بلوچستان کو وہی درجہ دیا جائے جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہوگا۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب حصّہ دیا جائے۔ مسلمانوں کی تہذیب اور اُن کی زبان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ ہر صوبہ کی وزارت میں کم سے کم ایک تہائی مسلمان ضرور شامل ہوں۔ ملک کے آئین میں اُس وقت تک کوئی تبدیلی نہ کی جائے جب تک ہندوستان کے سارے صوبے اور ساری ریاستیں اُسے منظور نہ کر لیں ؂

مسلمان تو پہلے ہی مسٹر جناح کے چودہ نکات پر متفق ہو چکے تھے کانگریس نے بھی انہیں منظور کر لیا اور یہ صلاح ٹھہری کہ ملک کا آئین بنانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ اس کمیٹی کے ممبروں میں اگرچہ ہندو مسلمان کانگریسی اور غیر کانگریسی سبھی شامل تھے لیکن اس کے صدر پنڈت جواہر لال کے والد پنڈت موتی لال نہرو تھے۔ اس لئے وہ اُن کے نام پر نہرو کمیٹی کہلائی اور اُس نے جو آئین بنا کے پیش کیا، وہ نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ کانگریس نے

اگرچہ مسٹر جناح کے چودہ نکات کو منظور کر لیا تھا لیکن نہرو کمیٹی نے جو آئین بنایا اُس میں بعض نکات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ مثلاً مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبروں میں ایک تہائی مسلمان ہوں لیکن نہرو رپورٹ نے یہ مطالبہ منظور نہ کیا۔ چودہ نکات میں ایک نکتہ یہ تھا۔ کہ کسی صوبہ میں جس قوم کی تعداد زیادہ ہو، وہاں کی اسمبلی کی زیادہ ممبریاں بھی اُسی کو ملیں۔ نہرو رپورٹ میں پنجاب اور بنگال کے غیر مسلموں کے لئے تو ممبریوں کی تعداد مقرر کر دی۔ لیکن مسلمانوں کی ممبریوں کی تعداد مقرر نہ کی اور مسلمانوں کو اندیشہ ہو چلا کہ کہیں بنگال اور پنجاب میں جہاں مسلمانوں کی گنتی ہندوؤں سے بس تھوڑی سی ہی زیادہ ہے، ہندو ممبروں کی گنتی مسلمان ممبروں سے بڑھ نہ جائے ⁂

کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ میں مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ جس میں نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔ مسٹر جناح اُن دنوں ہندوستان سے باہر تھے۔ اس لئے اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن لیگ کے جو نمائندے کانفرنس میں موجود تھے، اُنھوں نے نہرو رپورٹ کو منظور کر لیا۔ البتہ مولینا شوکت علی دستخط کرنے پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ

بگڑ کے الگ ہو گئے اور دلی پہنچ کے نہرو رپورٹ کے خلاف اِس زور کا بیان دیا کہ سیاسی حلقوں میں کھلبلی سی پڑ گئی۔ مولٰنا محمد علی بھی اُن دنوں یورپ میں تھے۔ وہ ہندوستان پہنچے تو انھوں نے بھی اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔ مسٹر جناح کی ہمیشہ سے خواہش رہی تھی کہ جس طرح ممکن ہو۔ ہندو مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندو سمجھوتے کے معاملہ میں تنگ دلی برتیں تو برتیں مسلمانوں کو فیاضی سے کام لینا چاہیئے۔ ہندو دو چار ممبریاں اپنے حصّہ سے زیادہ بھی لے گئے تو آخر کون سی آفت آگئی۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۶ء میں لیگ اور کانگریس کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا تھا، اُس میں اگرچہ سراسر مسلمانوں کا نقصان تھا۔ لیکن مسٹر جناح نے صرف اتحاد کی خاطر اُسے بھی قبول کر لیا۔ نہرو رپورٹ مرتب ہوئی تو اگرچہ اُس کی خامیاں بھی مسٹر جناح کی نظر سے اوجھل نہیں تھیں۔ پھر بھی اُن کا خیال تھا کہ نہرو رپورٹ جو کچھ ہے سو ہے۔ لیکن اس پر ہی سارا ملک متحد ہو جائے تو انگریزوں کے لیئے یہ کہنے کا موقع تو نہیں رہے گا کہ ہندوستانی اپنے ملک کا آئین ہی نہیں بنا سکتے تو حکومت کا انتظام کیا خاک چلائیں گے!

البتہ مسٹر جناح یہ ضرور چاہتے تھے کہ نہرو رپورٹ میں تھوڑی سی ترمیم ہو جائے اور زیادہ نہیں تو ہندو یہی منظور کر لیں کہ مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی ممبریاں مسلمانوں کو دی جائیں گی لیکن ہندو یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں تھے اِس سال کانگریس اور لیگ دونوں کے سالانہ جلسے کلکتہ میں ہوئے۔ کانگریس نے نہرو رپورٹ منظور کر لی۔ لیگ نے کوئی فیصلہ نہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں نے دِلّی میں ایک کانفرنس کی۔ جس میں مختلف جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ اِس کانفرنس نے جو مسلم کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی اور جسے کچھ عرصہ کے لئے ایک الگ انجمن کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی، فیصلہ کیا کہ مسلمان نہرو رپورٹ کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ مسٹر جناح اس اجلاس میں شامل تو نہیں ہوئے اور اس کانفرنس میں جو لوگ آگے آگے نظر آتے تھے، وہ مسٹر جناح سے کچھ ناراض بھی معلوم ہوتے تھے لیکن یہاں بھی جو تقریریں ہوئیں۔ اُن میں مسٹر جناح کے چودہ نکات ہی پر زور دیا گیا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں کا جو اندازہ تھا اُسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلم لیگ ہو یا مسلم کانفرنس دونوں انہی چودہ نکات کے گرد گھوم رہی ہیں ٭

مسلم کانفرنس کے اجلاس کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ مسلم لیگ نے
بھی دلی میں اپنا ایک خاص جلسہ کیا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ نہرو رپورٹ
کو کانگریس کے سوا ہندوستان کی کسی جماعت نے منظور نہیں کیا
اِس لئے لیگ بھی اُسے نامنظور کرتی ہے ۞

کانگریس سے مایوسی

مسٹر جناح شروع سے ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور سچ پوچھیے تو لیگ اور کانگریس کو جن کے راستے شروع سے الگ الگ تھے ایک مرکز پر جمع کرنے میں اُن کا بڑا حصہ تھا۔ رولٹ ایکٹ کے منظور ہونے کے بعد ہندو مسلمانوں میں جو اتحاد ہوا تھا۔ اُس کی بنیاد جذبات پر تھی۔ نہ ہندوؤں نے سوچا کہ آپس کے اختلافات گلے مل لینے، مل کے نعرے لگانے اور اکٹھے جیل چلے جانے سے تو دُور نہیں ہو سکتے۔ نہ مسلمانوں نے اس بات پر غور کیا کہ آزادی ملی تو حکومت میں ہندوؤں کا حصہ کتنا ہوگا اور ہمارے ہاتھ کیا آئے گا۔ بس جذبات کا ایک سیلاب تھا جو

دونوں کو بہائے لئے جاتا تھا۔ یہ چڑھی ہوئی ندی اُتری تو اختلافات نے سر اٹھایا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے شکایتیں پیدا ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ دونوں قومیں رولٹ ایکٹ سے پہلے جتنی ایک دوسرے کے قریب تھیں اُتنی قریب بھی نہ رہیں بلکہ اُس سے کچھ زیادہ دُور ہوگئیں۔ مسٹر جناح ایسے شخص نہیں تھے کہ آسانی سے جذبات کی رَو میں بہ جاتے۔ وہ چاہتے تھے کہ دونوں قوموں کو خُوب سوچ سمجھ کے ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیئے اور جن باتوں پر آگے چل کے جھگڑا ہونے کا اندیشہ ہے اُنہیں ابھی سے طے کرلینا چاہیئے۔ تاکہ کسی جھگڑے کا اندیشہ ہی نہ رہے اور محبّت اور اپنایت کے ایسے مستقل اَور پائدار تعلّقات کی بنیاد رکھی جائے جن میں کبھی کھنڈت نہ پڑے۔ لیکن جب سے نہرو رپورٹ منظور ہوئی تھی، ملک میں کچھ ایسا رنگ اُچھل رہا تھا کہ اتّحاد کی کوئی صورت نظر ہی نہیں آتی تھی۔ بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ سیاسیات میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے راستے الگ الگ ہیں۔ کانگریس میں جو تھوڑے بہت مسلمان باقی رہ گئے ہیں اُنہیں آج نہیں تو کل ضرور اُس سے الگ ہونا پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نظر آرہا تھا

کہ سمجھوتے کی کوئی صورت نہ نکلی تو آزادی بھی ہاتھ نہیں آئیگی بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کے قدم زیادہ مضبوط ہو جائیں گے مسٹر جناح کے لئے یہ زمانہ مایوسی کا زمانہ تھا۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں جو امیدیں باندھ رکھی تھیں وہ ٹوٹتی نظر آ رہی تھیں۔ آرزوؤں کے جو محل کھڑے کئے تھے وہ راکھ کا ڈھیر بن کے رہ گئے تھے۔ ہر طرف گھُپ اندھیرا چھایا ہوا تھا جس میں اُمید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آتی تھی ؛

ایک تو ملک کی حالت دیکھ دیکھ کے اُن کے دل پر مایوسی کے بادل چھائے جا رہے تھے۔ پھر ایک حادثہ ایسا پیش آیا جس نے مایوسی کے اس احساس کو زیادہ گہرا کر دیا یعنی مسز جناح کا انتقال ہو گیا۔ انہیں اپنے شوہر کی طرح سیاسی معاملات سے بڑی دلچسپی تھی اور کانگرس کے جلسوں میں برابر شریک ہوتی رہتی تھیں۔ بلکہ مسٹر جناح سے اُن کی پہلی ملاقات بھی کانگریس کے اجلاس ہی میں ہوئی تھی۔ لارڈ ولنگڈن سے مسٹر جناح کا جو معرکہ ہوا تھا، اُس کا حال ہم بیان کر چکے ہیں مسٹر جناح ٹون ہال کے اندر تھے اور ہال کے باہر ہجوم کو قابو میں رکھنے کے لئے جو رضاکار مقرر کئے گئے تھے، مسز جناح اُن کی کمان کر رہی تھیں مسٹر جناح بڑے

ہمت والے شخص تھے۔ مصیبتوں کی آندھیوں اور طوفانوں میں اُن کے قدموں کو جنبش تک نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ صدمہ ایسا تھا کہ اُنکی طبیعت دُنیا کے سارے دھندوں سے اُچاٹ ہوگئی۔ اُنہی دنوں ہندوستان کی حکومت کے آئین کا سوال حل کرنے کے لئے لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی جس میں کانگریس کے نمائندے تو شامل نہ ہوتے البتہ مسلمانوں کی مختلف انجمنوں، ہندو سبھا اور ہندوؤں کی دوسری جماعتوں کے نمائندے ضرور شامل تھے۔ مسٹر جناح بھی موجود تھے لیکن ہندوستان کے جھگڑوں؛ خاص طور پر ہندوؤں کی تنگ دلی سے ایسے بیزار تھے کہ لندن ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا اور وہیں چار برس گزار دیئے ؛

کانگریس نے پہلی گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کیا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی جی کانگریس کے نمائندے کی حیثیت سے شامل ہوتے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ لندن سے واپس آئے تو پھر ہندوستان کی حکومت سے اُن کی ٹکر ہو گئی۔ اس زمانے میں لارڈ وِلنگڈن جو ایک زمانے میں بمبئی کے گورنر تھے اور جن سے مسٹر جناح کی ٹھن گئی تھی، ہندوستان کے وائسرائے تھے۔

اُنہوں نے کانگریس کی تحریک کو کچلنے میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی۔ جب آپس کے جھگڑوں کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور ہندو مسلمانوں میں سمجھوتے کی کوئی صورت نہ نکلی تو بعض ہندو لیڈروں نے انگلستان کے وزیرِ اعظم سے کہا کہ ہم تو اِن جھگڑوں کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ آپ ہی ثالث بن کے فیصلہ کر دیجئے آخر وزیرِ اعظم نے فیصلہ کر دیا۔ جسے سب نے قبول کر لیا۔ اِس فیصلہ کی رُو سے پنجاب میں مسلمانوں کو اکاون، اور بنگال میں قریب قریب پچاس فی صدی ممبریاں ہاتھ آگئیں۔ سندھ بمبئی سے الگ ہو گیا۔ سرحد کو دوسرے صوبوں کے برابر اصلاحات مل گئیں اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی ممبریاں دینے کا بندوبست کر دیا گیا۔ یُوں تو یہ فیصلہ نہرو رپورٹ سے بہتر تھا لیکن مسٹر جناح کے دل میں برابر یہ پھانس کھٹک رہی تھی کہ آخر یہ فیصلہ وزیرِ اعظم کا فیصلہ ہے۔ ہندوستان کے لوگ آپس میں مل کے جو بُرا بھلا سمجھوتہ کر لیتے وہ اس فیصلہ سے بہتر تھا ؛

مسٹر جناح یہ طے کر چکے تھے کہ لندن ہی میں رہیں گے اور وہیں بیرسٹری کریں گے لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بڑی افراتفری پھیلی ہوئی ہے، ملک بھر میں کوئی ایسا قابل لیڈر نظر

نہیں آتا۔ جو مسلمانوں کو غلط راستوں پر پڑ کے بھٹکنے سے بچا سکے تو انہوں نے پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور آتے ہی مرکزی اسمبلی کے ممبر ہو گئے۔ ان دنوں پنجاب میں شہید گنج کا جھگڑا بڑے زوروں میں تھا۔ لاہور میں مسلمانوں کی ایک پرانی مسجد مدّت سے سکھوں کے قبضہ میں چلی آتی تھی۔ مسلمانوں نے مسجد کی واگزاری کا مطالبہ کیا۔ سکھوں نے حکومت کی شہ پا کے مسجد گرا دی۔ مسلمان اس پر بھڑک اُٹھے۔ ایک جلوس نکلا۔ اس پر گولی چلا دی گئی اور بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ اس کے علاوہ بہت سے مسلمان لیڈروں کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ مسٹر جناح اِس سلسلہ میں لاہور آئے اور نظر بندوں کو رہائی دلائی۔ اِس جھگڑے میں مسلمانوں کے درمیان جو اختلافات پیدا ہو گئے تھے، اُنہیں دُور کرانے کی کوشش کی۔ اِن دنوں نئی اصلاحات نافذ ہو رہی تھیں۔ انتخابات سر پر تھے۔ لوگ ممبریاں حاصل کرنے اور لوگوں کو اپنا حامی بنانے کے لئے نت نئے شگوفے چھوڑتے رہتے تھے۔ مسٹر جناح چاہتے تھے کہ یہ لوگ اپنی اپنی جماعتیں بنانے کے بجائے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ لیکن پنجاب کے لیڈروں میں بہت کم لوگ ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے اور بڑے بڑے زمینداروں نے تومل کے یونینسٹ

پارٹی کے نام سے ایک جماعت بنالی۔ جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ انتخابات میں سب سے زیادہ ممبریاں اسی جماعت کے ہاتھ آئیں لیکن یہ کیفیت صرف پنجاب میں تھی۔ دوسرے صوبوں میں مسلم لیگ کو خاصی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ صوبوں کی اسمبلیوں میں کانگریس کے بعد سب سے زیادہ تعداد مسلم لیگ ہی کے ممبروں کی تھی۔ مرکزی اسمبلی میں بھی یہی حال تھا۔

مسٹر جناح کو اگرچہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ہندو بڑے تنگ دل ہیں سمجھوتے کا کوئی راستہ نکلے، یہ ضرور روڑا اٹکائیں گے۔ چاہے ملک کو ان کی تنگ دلی سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے، یہ ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں گے اور ماپ تول کے جو گُر اُنہوں نے یاد کر رکھے ہیں اُن سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہوں گے۔ پھر بھی مسٹر جناح کی یہی خواہش تھی کہ کانگریس اور لیگ میں کوئی سمجھوتا ایسا ہو جائے کہ دونوں جماعتیں مل کے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیں۔ لیکن ہندو لیڈروں نے اُن کی پیش نہ چلنے دی۔ اور تو اور پنڈت جواہر لال نہرو نے جو ہندو لیڈروں میں بڑے روشن خیال سمجھے جاتے تھے، صاف صاف کہہ دیا کہ ملک

میں جماعتیں ہی دو ہیں۔ برطانوی حکومت اور کانگریس ! لیگ کہاں سے بیچ میں آٹپکی۔ یہ سُن کے مسٹر جناح کے ارادوں پر اوس سی پڑگئی۔ وہ پہلے ہی کانگریس سے مایوس تھے۔ جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے اس جواب نے جس کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر تھا پوری کردی۔

پاکستان

مسلم لیگ کی تحریک کے تین دور ہیں۔ پہلے دور میں مسلم لیگ کے لیڈر سمجھتے تھے کہ ہمیں برطانوی حکومت کے سوا اور کسی سے سروکار نہیں رکھنا چاہیئے۔ جو کچھ ملے گا۔ سرکار ہی سے ملے گا۔ دُوسرا دور پہلی جنگِ عظیم میں شروع ہوا اور مسلمان لیڈر سمجھنے لگے کہ انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ کانگریس سے سمجھوتہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں یہ دور جو ۱۹۱۶ء سے شروع ہوا۔ گول میز کانفرنس کے زمانے میں ختم ہو گیا اور مسلمان لیڈروں نے محسوس کیا کہ ہم جب تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوں گے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اِسی زمانے میں مسلمانوں

کی ایک چھوٹی سی جماعت مجلس احرار نے کشمیر کی تحریک چلائی اور ریاست میں جتھے بھیجنے شروع کر دیئے۔ مسلم لیگ اگرچہ اس تحریک سے الگ رہی تھی۔ لیکن مسلمان کشمیر کی رعایا کو ڈوگرہ مہاراجہ کے ظلم سے بچانے کے لئے اس زور سے اُٹھے کہ سارے ہندوستان میں شور مچ گیا۔ اس تحریک سے اور کوئی فائدہ تو نہیں ہوا۔ تاہم سارے ملک میں مسلمانوں کی ہمت اور جرأت کی دھاک بیٹھ گئی اور اپنے پرائے سب محسوس کرنے لگے کہ سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا ڈھنگ صرف کانگریس ہی کو نہیں آتا۔ مسلمان چاہیں تو کانگریس سے الگ رہ کے بھی بڑے زور کی تحریک چلا سکتے ہیں۔

مسلم لیگ میں سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ اب تک وہ بڑے بڑے آدمیوں کی جماعت تھی۔ اس کے قاعدے اور قانون ہی کچھ اس قسم کے تھے کہ صرف اونچے طبقے کے لوگ اُس میں شامل ہو سکتے تھے۔ مسٹر جناح نے ولایت سے آنے کے بعد سب سے پہلے لیگ کا ڈھانچا بدلا۔ پرانے قاعدے اور قانون جنہوں نے لیگ کو روپے پیسے والے لوگوں کی جماعت بنا دیا تھا، منسوخ کر کے اس جماعت کے دروازے سارے مسلمانوں پر کھول دیئے۔ اب لیگ کی ممبری کے لئے سفارشیں یا روپیہ خرچ کرنے

کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ ہر مسلمان چار آنے سالانہ چندہ ادا کر کے لیگ کا ممبر بن سکتا تھا۔ یہ سب کچھ تو ہو گیا۔ لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ لیگ کے سامنے کوئی صاف اور واضح راستہ نہیں تھا۔ اسے اتنا تو معلوم تھا کہ اُس کی منزل آزادی ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے اُسے کن راستوں سے گزرنا ہوگا۔ اگرچہ لیگ کے لیڈر اب بھی محسوس کرتے تھے کہ ہمیں ہندوستان میں رہنا اور ملک کو آزاد کرانا ہے تو کانگریس کو ساتھ لے کے آزادی کے راستے میں قدم رکھنا ہوگا لیکن ہندو لیڈر ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ سیدھے منہ بات کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے تھے ۱۹۳۷ء میں صوبوں کی قانون ساز مجالس کے انتخابات ختم ہوئے اور کانگریس کو انتخابات میں بڑی کامیابی ہوئی۔ شروع شروع میں تو وہ وزارتیں قائم کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ لیکن جب حکومت سے معاہدہ ہوا اور اُس نے وزارتیں قائم کرنے کی حامی بھری تو مسلم لیگ کے ممبروں کو وزارت میں لینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ مسلم لیگ کے ممبر وزارتوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں مسلم لیگ سے استعفا دینا پڑے گا۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈر یہ شرط ماننے پر آمادہ نہ ہوئے اور کانگریس

لے وزارتوں پر قبضہ کر لیا

اِس واقعہ سے کانگریس اور لیگ میں بدمزگی تو پیدا ہو گئی لیکن کانگریسی وزیر اگر مسلمانوں کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے تو معاملات زیادہ نازک صُورت اختیار نہ کرتے۔ لیکن اُنھوں نے بعض حرکتیں ایسی کیں کہ مسلمان یکبارگی بھڑک اُٹھے۔ کہیں کہیں ہندوؤں نے، جو یہ سمجھتے تھے کہ اب حکومت ہماری ہے مسلمانوں کو بقر عید کے موقع پر گائے کی قربانی کرنے سے روکا۔ بعض مقامات پر مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے پر جھگڑے ہوئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کانگریسی وزیروں نے اپنی طاقت سے فائدہ اٹھا کے اُردو کی جگہ ہندی کو رواج دینے کی کوشش کی۔ یہ کیفیت دیکھ کے مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مسلمانوں کے دوسرے لیڈر الگ رہے، خود مسٹر جناح یہ محسوس کرنے لگے کہ کانگریس سے شاید کبھی کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے۔ لیگ کے لئے یہ بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ ایسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ کبھی کالے کالے بادلوں میں بجلی چمک اٹھتی ہے تو سامنے پگ ڈنڈی کی سپید سپید لکیر سی نظر آجاتی ہے۔ پھر وہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اِس

عالم میں یکبارگی بجلی چمکی۔ مایوسی اور بے یقینی کی کالی گھٹائیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ پگ ڈنڈی سے ہٹ کے ایک خاصی چوڑی سڑک ہے۔ جو اگرچہ دھندلکے کی چادر میں لپٹی ہوئی ہے لیکن اُسے دیکھ کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس سڑک پر بڑھتے چلیں، تو آزادی کی منزل پر ضرور جا پہنچیں گے۔

مسلمانوں کو یہ راستہ اصل میں اُن کے قومی شاعر علامہ اقبال نے سمجھایا تھا۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں اُنھوں نے الٰہ آباد میں لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدر کی حیثیت سے جو تقریر کی تھی۔ اُس میں اُنھوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کے ایک الگ صوبہ بنانے کی کوشش کریں۔ اُس وقت تو لوگوں نے اس تجویز کی طرف زیادہ توجہ نہ کی لیکن ہندو مسلمانوں کے باہمی اختلافات جتنے زیادہ ہوتے گئے، مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کے ساجھے کی حکومت قائم کرنے کے بجائے انھیں اپنی علیحدہ حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بعض نوجوان طالب علموں نے اسلامی حکومت کے اِس خاکے میں رنگ بھرا۔ بنگال اور کشمیر کو

بھی اُس میں شامل کر لیا اور اس حکومت کا نام پاکستان رکھا۔ یہ تحریک بڑے زور سے پھیلی اور ملک کے ہر حصّے میں پاکستان کے حامی پیدا ہوگئے۔ مسلم لیگ نے تو شروع شروع میں پاکستان کو قبول نہ کیا لیکن آخر کار مسٹر جناح کو بھی ماننا پڑا کہ پاکستان کے سوا مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ اُنہیں پاکستان کا حامی بنانے میں علامہ اقبال کا بڑا حصّہ تھا۔ اُنھوں نے اس زمانے میں مسٹر جناح کے نام جو خط لکھے تھے اُن میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر موجود ہے۔ سنہ ۱۹۴۰ئہ میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں ہوا جس میں یہ قرار داد منظور کی گئی کہ ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، اُنہیں ہندوستان سے الگ کر کے ایک آزاد حکومت قائم کر دی جائے۔ اب تک لیگ کے سامنے کوئی واضح راستہ نہیں تھا لیکن اس قرارداد نے یہ اُلجھن بھی دُور کر دی یعنی لیگ کو اپنا راستہ صاف نظر آگیا ؛

جنگ کا زمانہ

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ انگلستان اور فرانس پولینڈ کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے زور کی جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کے شروع میں جرمنی کا پلّہ بھاری تھا۔ پھر اٹلی بھی اُس سے آملا۔ پولینڈ کے بعد اس نے مغربی یورپ کے کئی ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ فرانس بڑا طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آخر کار اُسے بھی ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ کانگریس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ یعنی آزادی کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت اس پر آمادہ نہ ہوئی تو کانگریسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں

اور صوبوں کے اختیارات کی باگ ڈور گورنروں کے قبضہ میں آگئی۔ کانگریس نے سِول نافرمانی کی تحریک چلانے کا ارادہ کیا اور گاندھی جی کو اختیار دے دیا کہ جب چاہیں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دیں۔

۱۹۴۱ء میں رُوس جنگ کے میدان میں اُترا۔ کوئی پانچ مہینے کے بعد جاپان نے برطانیہ سے جنگ چھیڑ دی اور ملایا اور برما پر قبضہ کر لیا۔ اب برطانیہ کی طرف سے سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ برطانیہ اس بات پر آمادہ تھا کہ ملک میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی جائے جس میں لیگ اور کانگریس کے نمائندے شریک ہوں اور جب جنگ ختم ہو جائے تو ملک کے آئندہ نظامِ حکومت کا فیصلہ کر کے ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے لیکن کانگریس صلح پر آمادہ نہ ہوئی اور سر سٹیفورڈ کرپس مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اُن کے جاتے ہی کانگریس نے برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان خالی کر دے اور حکومت کے خلاف ایک تحریک شروع کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حکومت نے یہ کیفیت دیکھ کر سارے بڑے بڑے کانگریسی لیڈروں کو جن میں گاندھی جی بھی شامل تھے گرفتار

کر کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا۔

اس زمانے میں جو لوگ مسٹر جناح کی پُر زور مخالفت کر رہے تھے، اُن میں خاکسار تحریک کے لیڈر عنایت اللہ مشرقی صاحب بھی تھے جو عام طور پر علامہ مشرقی کہلاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں جہاد کی رُوح پھُونکنے اُٹھے تھے اور جن دنوں لاہور میں لیگ کا جلسہ ہوا۔ اُس سے کچھ رُوز پیشتر حکومت سے لاہور کے خاکساروں کی ایک ٹکر بھی ہو چکی تھی، جس میں بہت سے خاکسار شہید ہو گئے تھے اور مشرقی صاحب کو گرفتار کر کے مدراس میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ مشرقی صاحب اور خاکسار تحریک کے متعلق مسٹر جناح کا رویّہ شروع سے ہمدردانہ تھا لیکن مشرقی صاحب نظر بندی سے رہا ہو کے آئے تو اُن کا انداز بدلا ہوا تھا۔ اُنھوں نے لاہور پہنچتے ہی اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ لیگ اور کانگریس میں سمجھوتہ ہو جانا چاہیئے۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد مشرقی صاحب نے زیادہ پاؤں پھیلائے اور مسٹر جناح کے نام حکم جاری کر دیا کہ گاندھی جی سے مل کے کانگریس سے صلح کر لو۔ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ مسٹر جناح اس حکم نامہ کا

کیا جواب دیتے ؟ لیکن مشرقی صاحب نے اِس قسم کے خطوں کا تار باندھ دیا۔

کچھ دن گزرے تھے کہ ایک نوجوان جو مشرقی صاحب کی خاکسار تحریک سے تعلق رکھتا تھا اور جس کا نام رفیق صابر تھا، لاہور سے بمبئی پہنچا، اور ایک مسافر خانے میں اُترا۔ وہاں اُس نے اپنا نام محمد صادق بتایا اور مسافر خانے کے رجسٹر میں بھی اسی نام سے دستخط کیئے۔ ہفتہ بھر مسافر خانہ میں رہنے کے بعد وہ جماعت خاکساران کے دفتر میں پہنچا۔ جہاں اُسے رہنے کے لئے جگہ مل گئی۔ مسٹر جناح ان دِنوں بلوچستان کا دورہ کر رہے تھے۔ وہ جس دن دورہ ختم کر کے بمبئی پہنچے۔ رفیق صابر نے کہیں سے ایک چاقو لیا۔ اُسے سان پر چڑھوا کے تیز کیا۔ اگلے روز اتوار تھا۔ یہ دن اُس نے جُوں تُوں کر کے گزارا اور پیر کو دوپہر کے وقت مسٹر جناح کے بنگلہ پر پہنچ کے دربان سے ملا اور کہا کہ میں مسٹر جناح سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دربان نے اُسے سیکرٹری کے دفتر میں پہنچا دیا۔ سیکرٹری نے اُس کی باتیں سُن کے کہا کہ مسٹر جناح اِس وقت تو بہت مصروف ہیں لیکن آپ ایک کاغذ پر لکھ دیجیئے کہ آپ کیوں اُن سے ملنا چاہتے

ہیں۔ میں اُن تک پہنچا دوں گا۔ رفیق نے اردو میں مسٹر جناح کے نام ایک خط لکھا۔ ابھی اس نے بمشکل خط ختم کیا تھا کہ اتفاق سے خود مسٹر جناح دفتر میں آ گئے۔ اُسے دیکھ کے اُنھوں نے سیکرٹری سے پوچھا۔ یہ کیا چاہتے ہیں سیکرٹری نے جواب دیا۔ یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ مسٹر جناح رفیق صابر سے کہنے لگے۔ آپ کو مجھ سے جو کچھ کہنا ہے، کاغذ پر لکھ دیجئے میں ایک آدھ دن میں ملاقات کے لئے وقت نکالوں گا۔ رفیق نے کہا میں تو ابھی ملنا چاہتا ہوں۔ مسٹر جناح نے مصروفیت کا عذر پیش کیا۔ لیکن وہ نہ مانا اور چاقو نکال کے اُن پر حملہ کر دیا۔ مسٹر جناح نے بائیں ہاتھ سے اُس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر بھی اُن کی ٹھوڑی اور ہاتھ زخمی ہو گئے۔ اتنے میں سیکرٹری اور دربان آ گئے اور رفیق کو پکڑ لیا۔ وہ دربان سے اپنے آپ کو چھڑا کے بھاگا۔ لیکن سڑک پر پہنچا تھا کہ اُسے پکڑ کے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ مسٹر جناح کو خاصے شدید زخم آئے تھے لیکن وہ چند دنوں میں تندرست ہو گئے۔ حملہ آور پر مقدمہ چلا اور اُسے پانچ برس قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

۱۹۴۴ء میں جب حکومت نے گاندھی جی کو رہا کیا تو بمبئی میں مسٹر جناح سے اُن کی ملاقات ہوئی کئی دن گفتگوئیں ہوتی رہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو لمبے لمبے خط لکھے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

جدّ و جہد

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی اسمبلیوں
میں کانگریس کے بعد لیگ کا زور تھا۔ البتہ سرحد میں جہاں مسلمانوں کی آبادی
زیادہ تھی، اسمبلی پر بھی کانگریسی مسلمان چھائے ہوئے تھے اور پنجاب
میں تو اور ہی رنگ اُچھل رہا تھا یعنی یہاں بڑے بڑے زمینداروں نے
مل کے یونینسٹ پارٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی تھی جو اسمبلی
پر چھائی ہوئی تھی۔ یونینسٹ پارٹی کہنے کو تو مخلوط جماعت تھی۔ یعنی اُس
میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے۔ لیکن مسلم لیگ سے بھی اس کا تعلق چلا
آتا تھا۔ اس کے مسلمان ممبر اپنے آپ کو لیگی کہتے تھے۔ اصل میں یونینسٹ

پارٹی کے لیڈر سر سکندر حیات خاں بڑے ہوشمند شخص تھے۔ اُنھوں نے پنجاب کے ہندو زمینداروں کو بھی اپنے ساتھ ملائے رکھا اور لیگ کے ساتھ بھی تعلقات قائم رکھے اور بگاڑ کا کوئی موقع نہ آنے دیا۔ اُنھوں نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا اور ملک خضر حیات خان اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ وہ بھی یُوں تو مسلم لیگ کی وفاداری کا دم بھرتے تھے لیکن ۱۹۴۴ء میں جب مسٹر جناح نے کہا کہ یونینسٹ پارٹی بالکل آدھا تیتر اور آدھا بٹیر قسم کی جماعت بن کے رہ گئی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اسمبلی کے سارے مسلمان ممبر مل کے مسلم لیگ پارٹی بنائیں۔ پھر ہندوؤں کو ساتھ ملا کے ملی جُلی وزارت قائم کی جائے۔ ملک خضر حیات خان نے یہ بات نہ مانی، چنانچہ اُنہیں لیگ سے نکلنا پڑا۔ اِس طرح یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ میں ٹھن گئی ⁂

اٹلی اور جرمنی نے ہتھیار ڈالے اور یورپ میں جنگ ختم ہو گئی، تو حکومت نے سارے کانگریسی لیڈروں کو رہا کر دیا۔ لارڈ ویول نے جو اُن دنوں وائسرائے تھے، شملہ میں کانگریس، لیگ اور دوسری جماعتوں کے ممبروں کو بلایا اور ملک میں ایک عارضی حکومت قائم کرنے کے لئے

گفتگو شروع ہوئی۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق تھا کہ نئی حکومت میں آدھے مسلمان ہوں اور آدھے اونچی ذاتوں کے ہندو۔ لیکن مسٹر جناح کو اس بات پر اصرار تھا کہ عارضی حکومت کے مسلمان ممبروں کو لیگ منتخب کریگی اور کانگریس اس بات پر آمادہ نہیں تھی۔ بلکہ یہ چاہتی تھی کہ ایک آدھ کانگریسی مسلمان کو بھی نئی حکومت میں لیا جائے۔ ملک خضر حیات خان نے اس موقع پر ایک اور الجھن پیدا کر دی۔ یعنی اس بات پر اڑ گئے کہ نئی حکومت میں پنجاب کا ایک نمائندہ ضرور ہونا چاہیئے۔ جسے میں خود منتخب کروں گا۔ شملہ کانفرنس ناکام رہی اور ملک خضر حیات خاں جو پہلے ہی مسلمانوں میں بہت بدنام تھے، زیادہ بدنام ہو گئے ؀

اب مرکزی اسمبلی اور صوبوں کی اسمبلیوں کا انتخاب شروع ہوا۔ اس زمانے میں لیگ کی تحریک بڑا زور پکڑ گئی تھی اور پاکستان کا پیغام گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں میں کچھ اور جماعتوں نے لیگ کے امیدواروں کے مقابلے میں اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ لیکن لیگ کے سامنے کسی کا چراغ جل نہ سکا۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی ساری ممبریاں لیگ کے ہاتھ آئیں۔ صوبوں میں کہیں پچانوے فیصدی اور کہیں نوّے فی صدی ممبریاں لیگ کو ملیں۔ پنجاب میں

یونینسٹ پارٹی بڑے زور سے اٹھی۔لیکن اُس کے صرف پانچ اُمیدوار کامیاب ہوئے۔بنگال میں بھی ہوا یعنی مسلمانوں کی ۱۱۹ نشستوں میں سے ۱۱۳ پر لیگ کا قبضہ ہو گیا۔البتہ سرحد میں کانگریس اور لیگ برابر رہیں۔یعنی سرحد کی ۳۶ نشستوں میں ۱۷ لیگ کے ہاتھ آئیں جمعیت العلماً کے دو اُمیدوار کامیاب ہُوئے۔ایک مسلمان امیدوار کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ ۱۶ نشستیں مسلمان کانگریسیوں کو ملیں ٭

سرحد میں تو خیر پہلے بھی کانگریسی مسلمانوں کا زور تھا اور خدائی خدمتگار جماعت جس کے لیڈر خان عبدالغفار خان کو اِس صوبہ میں بڑی عزّت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مدّت سے کانگریسی چلے آتے تھے لیکن پنجاب میں تو لیگ نے بالکل یونینسٹ پارٹی کا تختہ ہی اُلٹ دیا۔اسمبلی کے کل ممبروں کی تعداد ۱۷۵ تھی۔جس میں ۸۶ مسلمان اور باقی غیر مسلم تھے۔ان ۸۶ مسلمانوں میں ۵ یونینسٹ تھے اور باقی ۷۹ مسلم لیگی۔پھر بھی ملک خضر حیات نے لیگ کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے۔بلکہ اسمبلی کے غیر مسلم ممبروں کو ساتھ ملا کے وزارت قائم کی اور خود وزیرِ اعظم بن بیٹھے ٭

مسٹر جناح کو ایک دفعہ پر پنجاب کے ایک لیگی کارکن میاں فیروزالدین احمد مرحوم

نے "قائدِ اعظم" کہا تھا۔ یہ لقب ایسا مقبول ہوا کہ لوگ انہیں قائدِ اعظم ہی کہنے لگے۔ اخباروں میں اُن کے نام کے ساتھ قائدِ اعظم لکھا جاتا تھا۔ گاندھی جی نے انہیں جو خط لکھے تھے، اُن میں بھی اُنہیں اِنہی الفاظ سے مخاطب کیا گیا تھا۔ انتخابات کے زمانے میں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اِسی نام کی دہائی دی جاتی تھی۔ جلسوں اور جلوسوں میں جگہ جگہ "قائدِ اعظم زندہ باد" اور "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگتے تھے۔ "قائدِ اعظم" کے معنی "بڑا لیڈر" کے ہیں اور مسٹر جناح کے نام کے ساتھ یہ لفظ ایسا بیٹھتا ہے۔ جیسا انگوٹھی میں نگینہ۔ کیونکہ مسلمانوں میں اُن سے بڑا لیڈر کوئی نہیں تھا اور ہندوستان کے مسلمانوں کی پوری تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ کسی شخص کو اتنی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہوئی ہو۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں حکومتِ برطانیہ کے تین وزیر ہندوستان آئے۔ انہوں نے یہاں مختلف جماعتوں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کرنے کے بعد ایک سکیم مرتب کی جسے وزارتی مشن کی سکیم کہتے ہیں۔ اس سکیم کا خلاصہ یہ تھا کہ صوبوں کے تین گروپ بنائے جائیں۔ آئین بنانے کے لئے ایک مجلس قائم کی جائے جس میں تمام قوموں کے نمائندے آبادی کے حساب سے

شریک ہوں اور جب تک ملک کے آئین کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ ایک عارضی حکومت قائم کی جائے۔ جس کے چودہ وزیروں میں سے پانچ مسلم لیگ میں سے لئے جائیں۔ اس تجویز کو منظور کر لیا گیا۔ آئین بنانے والی مجلس کے ممبروں کا انتخاب بھی ہوا۔ اس انتخاب میں بھی لیگ ہی کا پلّہ بھاری رہا۔ یعنی مسلمانوں کی ۸۰ نشستوں میں سے ۷۳ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ پھر بھی وزارتی مشن کی سکیم پروان نہ چڑھی۔ کانگریسی لیڈروں نے اس کے بعض حصّوں کو غلط معنی پہنانے شروع کر دیئے اور ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں کہ ساری سکیم ہی ٹھپ ہو کے رہ گئی ؂

اب وائسرائے نے ایک عارضی حکومت قائم کی اور پنڈت جواہر لال نہرو کو وزیرِ اعظم بنایا گیا۔ شروع شروع میں لیگ اس سے الگ رہی لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کے پانچ نمائندے بھی مرکزی وزارت میں شامل کر لئے گئے۔ یوں تو نئی حکومت میں لیگ اور کانگریس دونوں کے نمائندے موجود تھے۔ جو بظاہر مل کے کام کرتے تھے لیکن دل صاف نہیں تھے اور مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسی زمانے میں فسادات کا طوفان اُمڈا اور ملک میں خون کی ندیاں بہ گئیں فساد

کلکتہ سے شروع ہُوا اور دیکھتے دیکھتے مشرقی بنگال اور بہار اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ بہار میں خاص طور پر مسلمانوں کا بڑا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ یُو۔پی کے بعض شہروں میں بھی ہنگامے ہُوئے۔ ان میں گڑھ مکتیشور کا ہنگامہ خاص طور پر بڑے زور کا تھا۔

پنجاب میں ملک خضر حیات خان اسمبلی کے ہندو ممبروں کی مدد سے وزارت سنبھالے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ ضرور تھا، لیکن اگر وہ مسلم لیگ سے ٹکر نہ لیتے تو اتنے بدنام نہ ہوتے اور شاید اُن کی وزارت کچھ دن اور چل جاتی مگر وزارت کے نشہ میں انہیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ لیگ آخر ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ اسے حکومت کے زور سے دبانے کی کوشش کرنا اچھا نہیں اُن کی بعض حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیگ نے اُن کی حکومت کیخلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی اور ہزاروں مسلمان جن میں پنجاب مسلم لیگ کے سارے بڑے بڑے لیڈر شامل تھے، جیل بھیج دیئے گئے۔ یہ تحریک اگرچہ صرف پنجاب تک محدود تھی اور یہاں بھی اس کا زور زیادہ تر لاہور ہی میں تھا۔ پھر بھی وہ اس زناٹے کی تحریک تھی کہ کانگریس کی تحریکیں بھی اُس کے سامنے

گرد ہو کے رہ گئی تھیں۔ بالآخر ملک خضر حیات خان کو لوگوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ یعنی اُنہوں نے وزارت سے استعفا دے دیا اور اگرچہ اس کے بعد ملک میں بڑے بڑے اہم واقعات ہوئے لیکن وہ اس طرح گھر میں پاؤں توڑ کے بیٹھے کہ سیاست سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

اُدھر ہندوستان کی عارضی حکومت تو لشٹم پشٹم چل رہی تھی۔ لیکن ہندوستان کے آئندہ طرزِ حکومت کی گتھی ایسی اُلجھی ہوئی تھی کہ سلجھائے نہیں سلجھتی تھی۔ آخر انگلستان کے وزیرِ اعظم نے اعلان کیا کہ جُون کے مہینے میں ہم ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور ہندوستانیوں کے حوالے کر دیں گے۔ آگے وہ جانیں اور اُن کا کام۔ لارڈ مونٹ بیٹن اُنھی دنوں ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ایک سکیم بنائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان کو دو حصوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پنجاب اور بنگال کے صوبوں میں بھی دو ٹکڑے کیے جائیں۔ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال ہندوستان کو ملیں اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال پاکستان کے حصے میں آئیں۔ صوبہ سرحد اور آسام کے ایک ضلع سلہٹ کے لوگوں

کی رائے شماری کر کے معلوم کیا جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ وہ اس معاملہ میں جو کچھ فیصلہ کریں۔ اُسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس سکیم کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ مسلمانوں نے پاکستان کا جو خاکہ بنایا تھا اُس میں پورا بنگال، پورا پنجاب بلکہ آسام بھی شامل تھا۔ کیونکہ آسام کے غیر مسلموں میں سے عیسائیوں اور وہاں کے قبائلیوں کو نکال دیا جائے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد قریب قریب برابر رہ جاتی ہے۔ لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تجویز کی رُو سے مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب کے علاوہ آسام بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا۔ پھر بھی کانگریس اور لیگ دونوں نے اِس تجویز کو قبول کر لیا۔

اب سرحد اور سلہٹ میں رائے شماری ہوئی۔ اِن دونوں علاقوں کے باشندوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور انہیں پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔ اب یہ طے ہو گیا تھا کہ ۱۵ اگست کو تقسیم کی تجویز پر عمل شروع ہو جائے گا اور ہندوستان کو دو حصوں یعنی پاکستان اور ہندوستان میں بانٹ دیا جائے گا۔ لیکن دونوں ملکوں کی جو حدیں مقرر

کی گئی تھیں وہ عارضی تھیں۔ پکّی حد بندی کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا۔ جس کا صدر ایک انگریز ریڈ کلف نام تھا۔ اُس نے حد بندی کے متعلق جو فیصلہ کیا وہ بڑا غیر منصفانہ تھا۔ اُس سے مسلمانوں کو سخت نقصان ہوا۔ اور گورداسپور، امرتسر، فیروزپور اور جالندھر کی بیشتر تحصیلیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور پاکستان سے ملی ہوئی بھی تھیں، ہندوستان کے قبضہ میں چلی گئیں۔ ریڈ کلف نے گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو دے کر اُسے کشمیر سے ملا دیا اور اس طرح ایک بہت بڑے فتنہ کی بنیاد رکھ دی ⁂

حکومتِ پاکستان

جن دنوں ملک خضر حیات نے استعفا دیا، پنجاب میں فسادات شروع ہو چکے تھے۔ ۳؍ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کا اعلان کیا اور ہنگامے زیادہ زور پکڑنے لگے اگست کے وسط میں ہندوؤں اور سکھوں نے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر یلغار بول دیا۔ لوگ بھاگ بھاگ کے مغربی پنجاب اور پاکستان کے دوسرے حصوں میں پہنچنے لگے مغربی پنجاب میں بھی فساد کا طوفان امڈا اور ہندوؤں نے پاکستان کو چھوڑ کے ہندوستان کا رُخ کیا چنانچہ ۱۵؍ اگست کو جب اُدھر دِلّی میں اور اِدھر کراچی میں آزادی کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ پنجاب میں خون کا سیلاب اُمڈ رہا تھا فساد کی آگ ایسی پھیلی کہ

دِلّی اور یو۔پی کا ایک حصّہ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ کوئی ستّر لاکھ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور پچاس لاکھ ہندو اور سکھ پاکستان چھوڑ کے ہندوستان چلے گئے۔ دنیا کی تاریخ میں اتنی بڑی ہجرت کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔

پاکستان کی نئی حکومت کے گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح مقرر ہوئے تھے۔ کیونکہ اُن کے سوا کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا تھا۔ جو اتنی اہم ذمّہ داری سنبھال سکے۔ لیکن ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کو رہنے دیا گیا۔ وہ تقسیم سے پہلے سارے ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل تھے۔ اب وائسرائے کا عہدہ اُڑ گیا اور اُن کی حیثیت صرف گورنر جنرل کی رہ گئی ۔

ہندوستان کی حکومت پرانی تھی۔ پاکستان کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ نہ ابھی دفتر قائم ہوئے تھے، نہ فائلیں موجود تھیں، نہ افسروں اور کلرکوں نے چارج لیا تھا! اور تو اور جو ضروری سامان تقسیم میں پاکستان کو ملا تھا، وہ بھی ابھی دلّی میں پڑا تھا کہ فسادات شروع ہو گئے اور مہاجرین کا تانتا بندھ گیا۔ اصل میں مشرقی پنجاب میں جن لوگوں نے فساد شروع کیا تھا، اُن کا مقصد یہ تھا کہ۔

مشرقی پنجاب کی ساری مسلم آبادی پاکستان پہنچ گئی تو پاکستان کی نئی حکومت اپنے قدموں پر کھڑی ہی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن خدا کی قدرت پاکستان اس امتحان میں پورا اترا اور دشمنوں کے سارے منصوبے دھرے رہ گئے ؛

قائدِ اعظم صرف پاکستان کے گورنر جنرل ہی نہیں تھے، ساری قوم کے باپ اور ملک کے سب سے بڑے لیڈر بھی تھے مصیبت کے وقت ساری قوم کی نظریں اُنہی کی طرف اٹھتی تھیں اور اُن کی زبان سے نکلے ہوئے دو لفظ کبھی کبھی ایسا کام کر جاتے تھے جو ہزاروں انسانوں اور لاکھوں کروڑوں روپوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس کٹھن وقت میں اُنہوں نے قوم کی ہمت بندھانے میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی اور سچ پُوچھیے تو یہ اُنہی کی ہمت اور ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ جھگڑوں اور طوفانوں میں نہ تو پاکستان کے لوگوں کے ہاتھوں سے امید کا دامن چھُوٹا نہ اُن کے قدم ڈگمگائے ؛

ہندوستان نے بڑا غضب یہ کیا کہ ریاستوں کے معاملہ میں بھی بڑی دھاندلی سے کام لیا۔ اس بات کا فیصلہ شروع سے ہو چکا تھا، کہ

جو ریاستیں پاکستان میں شامل ہونا چاہیں، پاکستان میں شامل ہو جائیں جو ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہیں وہ ہندوستان کے ساتھ رہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ جس مملکت میں شامل ہوں، اُس سے اُن کی سرحد ملتی ہے۔ جوناگڑھ کا نواب مسلمان تھا۔ وہ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ لیکن ہندوستان نے نہ مانا اور جوناگڑھ میں فوجیں اُتار دیں کشمیر کی آبادی میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے لیکن وہاں کے ڈوگرہ مہاراجہ نے ہندوستان میں شامل ہونا چاہا تو ہندوستان کی حکومت نے اس کی درخواست منظور کر لی اور وہاں بھی اپنی فوجیں بھیج دیں۔ ریاست میں پہلے ہی مہاراجہ کے خلاف ایک تحریک جاری تھی اور ریاست کے باشندے پہلے ہی ڈوگرہ فوجوں سے لڑ رہے تھے۔ اب سرحد کے آزاد قبیلے جن کے علاقے کی حدیں کشمیر سے ملی ہوئی ہیں کشمیر کے مسلمانوں کی مدد کو آپہنچے اور بڑے زور کی جنگ چھڑ گئی۔ قائدِ اعظم چاہتے تھے کہ کشمیر کا معاملہ صلح صفائی سے طے ہو جائے اور کشمیر کے باشندوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ جس مملکت میں چاہیں شامل ہو جائیں لیکن ہندوستان کے لیڈر یہ بات بھی نہ مانے ۔

قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کو صحیح معنوں میں سارے مسلمانوں کی جماعت بنانے اور اُس کا پیغام گھر گھر پہنچانے میں بڑی محنت کی تھی۔ وہ شہر شہر پھرے۔ جگہ جگہ جلسوں میں تقریریں کیں سمجھوتے کی گفتگوؤں میں حصّہ لیا۔ ولایت سے آنے کے بعد انہوں نے وکالت کی پریکٹس ترک کر دی تھی اور ان کا سارا وقت قومی کاموں میں صرف ہو جاتا تھا۔ پھر بھی جو کام وہ کر رہے تھے وہ ایک طرح کی وکالت ہی تھی۔ وکالت کے زمانے میں وہ بڑی محنت سے مقدمے تیار کرتے تھے۔ مِسلیں بار بار پڑھتے، قانون کی کتابوں میں حوالے تلاش کرتے اور ساری ساری رات جاگتے رہتے لیکن اپنی قوم کا مقدمہ جس ذوق و شوق سے اُنہوں نے تیار کیا، اُس کی مثال اُن کی بیرسٹری کے ابتدائی زمانے میں نہیں ملتی۔

پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے بعد اُنہیں جو کام کرنا پڑا وہ مقدمہ تیار کرنے سے بالکل مختلف تھا لیکن یہ فرض بھی انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے انجام دیا۔ وہ صبح سویرے اُٹھ کے کام میں جُٹ جاتے تھے اور بہت رات گئے جاگتے رہتے تھے۔ اُن کی چھوٹی بہن مس فاطمہ جناح مدت سے اُن کے پاس رہتی تھیں۔ گھر کی دیکھ بھال بھی وہی کرتی تھیں۔ سچ پوچھیے تو شفیق بہن کی وجہ سے اُنہیں بڑھاپے میں بہت آرام ملا۔

وفات

قائدِ اعظم کی صحت یُوں تو مدّت سے خراب چلی آتی تھی لیکن وہ سیاسی دھندوں میں کچھ ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ نہ کبھی جسم کے علاج کرنے کا موقع ملا، نہ کبھی اتنی فرصت ملی کہ کچھ دن آرام ہی کر لیتے۔ اِس طرح صحت بگڑتی گئی اور اُنہیں احساس تک نہ ہُوا۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد اُنھوں نے اتنی محنت کی کہ چھ مہینوں میں صحت بالکل جواب دے گئی۔ ۱۹۴۸ء کے شروع میں وہ ڈاکٹروں کے مشورہ سے پہلے کوئٹہ گئے اور پھر وہاں سے زیارت چلے گئے۔ وہ یہاں آرام کرنے آئے تھے لیکن آرام کا نام ہی نام تھا۔ یہاں بھی ضروری کاغذات اور اہم فائلوں

کا تانتا بندھا تھا۔ مس فاطمہ جناح نے جو اُن کے ساتھ تھیں بہتیرا چاہا کہ وہ کچھ دنوں ملک کا کام دھندا دوسرے لوگوں پر چھوڑ کے آرام کریں۔ لیکن اُنہوں نے نہ مانا۔

اب تک تو ڈاکٹروں کی سمجھ میں یہ بات بھی نہ آئی تھی کہ اُنہیں اصل میں مرض کیا ہے لیکن زیارت میں پاکستان کے بعض مشہور ڈاکٹروں نے غور سے اُن کا معائنہ کیا تو معلوم ہُوا کہ اُن کے پھیپھڑے خراب ہو گئے ہیں۔ لاہور کے دو ڈاکٹروں نے جو پھیپھڑوں کے علاج میں بہت ماہر تھے، بڑی محنت سے علاج شروع کیا۔ شروع شروع میں تو اُنہیں خاصا افاقہ ہو گیا تھا اور ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ چند مہینوں میں تندرست ہو جائیں گے لیکن پھر یکبارگی اُن کی صحت گرنے لگی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ان میں زندہ رہنے اور مرض کا مقابلہ کرنے کی خواہش ہی باقی نہیں رہی۔ اصل میں اُنہیں اِس بات کا احساس ہو چلا تھا کہ میں نے اپنا کام ختم کر لیا ہے پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اُس کی بنیادیں مضبوط ہیں اور میرے بعد بھی وہ زندہ رہے گا۔ اِس احساس نے اُن میں مرض کے مقابلہ کی قوت کم کر دی اور بیماری طبیعت پر غالب

ہوتی گئی۔ ستمبر کے شروع میں اُن کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔ ۱۱ ستمبر کو اُنہیں کراچی پہنچا دیا گیا۔ شام کو کوئی چھ بجے کے قریب وہ اپنی کوٹھی میں پہنچے اور دس بج کے بیس منٹ پر اپنے مولا سے جا ملے۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ۔

لوگوں کو قائدِ اعظم کی بیماری کے حالات معلوم نہیں تھے۔ اِس لئے اُن کی وفات کی خبر سُنی تو ایسا معلوم ہُوا کہ اچانک بجلی سی گِر پڑی۔ دوسرے دن جنازہ اٹھا تو ہر طرف کہرام برپا تھا۔ اکثر لوگ تو بالکل ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ جنازہ کے ساتھ کوئی چھ لاکھ اشخاص کا ہجوم تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھی ہوئی تھی اور دلوں سے آہوں کے طوفان اُٹھ رہے تھے۔ کراچی تو خیر پاکستان کی حکومت کا مرکز تھا۔ دوسرے شہروں میں بھی دکانیں بند تھیں۔ بازار سنسان پڑے تھے اور لوگوں کے جذبات کا یہ حال تھا کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ دُنیا بھر کے بڑے بڑے آدمیوں نے اس موقع پر ماتم پُرسی کے پیغام بھیجے۔ اخباروں میں مضامین چھپے۔ بہت سے شاعروں نے اِس موقع پر مرثیے لکھے قائدِ اعظم

کو اپنی قوم میں جو ہردلعزیزی حاصل تھی وہ دنیا میں بہت کم لوگوں
کو نصیب ہوتی ہے اور اُن کی قوم نے جس طرح اُن کا سوگ منایا ہے
اُس کی مثالیں بھی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں ٭

خراجِ عقیدت

قائدِ اعظم کی وفات پر دنیا بھر کے سیاستدانوں، ادیبوں اور شاعروں نے بہترین الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ذیل میں چین کے ایک نامور شاعر اور پاکستان کے ایک نوجوان ادیب کے لکھے ہوئے مرثیے درج کئے جاتے ہیں

عہد

جناح! اے مقاومت، جہاد، اور انقلاب کے نشان!
جسے صحراؤں کے خانہ بدوش بھی پہچانتے تھے،
اور گنگا کے کناروں پر بسنے والے بھی!
میرا کمزور دل آج غم کے مقابلے میں عاجز ہے،

میں رونے پر مجبور ہوں،
اگرچہ آنسو میرے غم کی شدت کے اظہار سے قاصر ہیں۔
او جناح! روحِ انسانی تجھے کبھی بھولنے نہ پائے!
حکمرانوں کی نخوت اور دشمنوں کی لعنت خون آشامی برقرار رہے گی،
لیکن تو صبر و اطمینان سے اپنی آنکھیں بند کر لے،
کیونکہ جنگلوں میں،
اور ساحلوں پر،
تیرے بیٹے (ہی نہیں)
تیری بیٹیاں (بھی)،
تلواریں ہاتھوں میں لئے،
حق کی حمایت کرتی رہیں گی
وہ تیرے طویل جہاد کو
از سرِ نو شروع کریں گے
اور یہ نسل (ہی)
تیرا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا دے گی!

یہ صرف ایک نوحہ نہیں،
حلف ہے!

(لوہ ینگ)

قائدِ دہر

تُو نے اسلام کا بول بالا کیا
ہر قیامت کو ہنس ہنس کے ٹالا کیا
تو نے ان ظلمتوں میں اُجالا کیا
جن کو صدیوں سے افرنگ ڈھالا کیا
تُو نے اُن راستوں کو اُجاگر کیا جن پہ صدیقؓ و فاروقؓ چلتے رہے
تُو نے اُن قافلوں کو خراماں کیا جو پڑاؤ پہ پہلو بدلتے رہے
بحرِ ہستی میں اسلام کی لہر تھا قائدِ ہند کیا، قائدِ دہر تھا
آندھیوں سے نکلنا سکھایا ہمیں
آن میں آسماں پر بٹھایا ہمیں

قائد اعظم

راستہ زندگی کا دکھایا ہمیں
ساری دنیا کا دولھا بنایا ہمیں
تو نے تلوار کو طاق پر رکھ دیا اور قرآن کو رہنما کر دیا
یعنی صدیوں کے اُلجھے ہوئے راز کو چند باتوں کی حکمت سے وا کر دیا
بحرِ ہستی میں اسلام کی لہر تھا
قائدِ ہند کیا، قائدِ دہر تھا
ایک بے داغ آئینہ سیرت تری
سلطنت کا سہارا تھا قوت تری
ساری ملّت کی حشمت تھی شوکت تری
پاک فطرت تری، نیک نیت تری
آفتابِ جہاں تاب تیری شعاعیں ابد تک فضاؤں میں لرزاں رہیں
تیرا چہرہ ابد تک فروزاں رہے، تیری آنکھیں ابد تک درخشاں رہیں
بحرِ ہستی میں اسلام کی لہر تھا
قائدِ ہند کیا، قائدِ دہر تھا

(احمد ندیم)

اشاعتِ ثانی زیرِ اہتمام

قومی کمیٹی برائے صد سالہ تقریباتِ پیدائشِ

قائدِ اعظم محمد علی جناح

وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

Pakistan – The Heart of Asia
Liaquat Ali Khan

The Myth of Independence
Z. A. Bhutto

The Making of Pakistan
K. K. Aziz

Our Freedom Fighters
G. Allana

Struggle for Freedom in Kashmir
Prem Nath Bazaz

Making of Pakistan
Richard Symonds

Quaid-i-Azam as Seen by His Contemporaries
Jamiluddin Ahmad

A Collection of Tributes to M.A. Jinnah (1940)
Mahmood Hasan

تاریخی فیصلہ
عبدالواحد قریشی

سی - پی - میں کانگریس راج
(حکیم) اسرار احمد کرُبوی

ناشر
نیشنل بُک فاؤنڈیشن